www.urducouncil.nic.in

جولائی 2023، قیمت :- ₹10

ماهنامه

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔ یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنّفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنّفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہو سکتی ہیں؟

7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں؟

17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!

22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

*** جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔**

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	مضامین	
ہندوستان میں عہدوں کی اہمیت	رونق جمال	07
جاگتی آنکھوں کا خواب	عظیم اقبال	09
دوستی اور اس کے تقاضے	وسیم سعید	11
	انٹرویو	
سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم بچوں کے لیے ضروری ہے	عزیز انصاری	16
	نظمیں	
ریل	ذکی طارق	23
بارش رحمت ہے یا زحمت	محمد رفیع انصاری	24
نورِ سحر	عبدالرزاق دل کھولاپوری	24
ہوا اور بادل	فراق جلال پوری	25
پانی بنا بادل	ارشاد احمد	26
گڑیا رانی	شمیم انجم وارثی	27
پانی کی کہانی	رخشاں ہاشمی	28
تربوز	اشتیاق احمد راشد	29
	ڈراما	
آج کا کنبھ کرن	سید اسد تابش	30
	کہانیاں	
اِٹّو کی کہانی	ذکیہ مشہدی	35
شرارت سے توبہ	رحیم رضا	37
حوصلہ کی اڑان	متین الدین	40
کولڈ ڈرنک	شاہ تاج خان	42
محنت کا پھل	فرحان خان	47
	بازدگر	
سچائی کا پھل	مطلوب احمد	49
	بچوں کا کتب خانہ	
آؤ چھولیں چاند ستارے/شجاع الدین شاہد	عبدالرشید	51
	سائنس نامہ	
رابرٹ بنسن اور کرشوف	سید شہاب الدین دسنوی	53
	صحت	
'منکی پاکس' اور ہم انساں؟	بشریٰ اشرف	55
	زبان شناسی	
گرمی، گرما اور گرمیاں	خاں صاحب مولوی سید احمد دہلوی	59
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		61

بچوں کی دنیا

جلد: 11 شمارہ: 07 جولائی 2023

مدیر : پروفیسر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر : عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ تعلیم۔ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:11-49539009
ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز:10-7-22-110 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002
فون:040-24415194

پیارے بچو! علم حاصل کرنا سب کے لیے ضروری ہے، جس طرح زندگی کے لیے ہوا، پانی اور کھانا ضروری ہے اسی طرح روح کی غذا علم ہے، اس کے بغیر کوئی بھی قوم ترقی نہیں کرسکتی، علم کامیابی کی کنجی ہے، اگر کامیاب ہونا ہے تو اس کا سیدھا سا فارمولہ ہے کہ خوب دل لگا کر علم حاصل کیا جائے، اپنے وقت کا صحیح استعمال کیا جائے، بڑوں کی نصیحت پر عمل کیا جائے، تو یقیناً کامیابی وکامرانی آپ کے قدم چومے گی اور آپ ملک وقوم کا نام بھی روشن کرسکیں گے۔

علم بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں، مذہبی علم، ادبی علم، سماجی علم اور سائنسی علم وغیرہ۔ ہر طرح کے علم کا حصول ضروری ہے، اور ہر علم کی اپنی اہمیت ہے، کوئی بھی علم ہو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے، جتنا زیادہ آپ علم سیکھیں گے آپ کی شخصیت اور آپ کی زندگی میں اتنا ہی نکھار آئے گا، لیکن موجودہ دور میں سائنسی علوم کی اہمیت اور افادیت زیادہ ہے کہ دنیا کی ترقی میں سائنس کا بہت اہم رول ہے، سائنسی ایجادات نے آج ہماری زندگی کو بہت آسان کردیا ہے۔ سائنس کے بغیر ہم آج ایک قدم بھی نہیں چل سکتے، اس لیے اپنے آپ کو زمانے سے ہم آہنگ کرنے کے لیے سائنس کا علم بے حد ضروری ہے۔

بچو! کائنات کے پوشیدہ راز کو ایک اصول وضابطے کے تحت جاننے کو سائنس کہتے ہیں، سائنسی ایجادات نے آج لوگوں کو حیران کردیا ہے، مادی کائنات کے متعلق روز نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں اور پوری دنیا کے سائنس داں اپنے اپنے طور پر قدرت کی پیدا کردہ کائنات کو سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں لیکن اس کے باوجود کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے کائنات اور اس کے راز کو مکمل طور پر سمجھ اور جان لیا ہے۔ سائنس کے کچھ بنیادی شعبے طبعیات (Physics)، کیمیا (Chemistry)، حیاتیات (Biology) اور فلکیات (Astronomy) بنائے گئے ہیں، تاکہ لوگ بآسانی اسے سمجھ سکیں اور اس کے متعلق علم حاصل کرسکیں، آج ہر اسکول اور یونیورسٹی میں اس کے الگ الگ شعبے ہیں اور ان کی تعلیم پر زور دیا جا رہا ہے۔

پیارے بچو! آپ دل لگا کر تعلیم حاصل کریں اور دوسرے موضوعات کے ساتھ سائنسی کتابوں پر بھی پوری توجہ دیں اور مشہور سائنس دانوں کی سوانح حیات اور ان کی ایجادات واکتشافات کا بھی مطالعہ کریں کہ وہ کس طرح دن ورات کی پرواہ کیے بغیر نئی دریافت میں لگے رہے۔ اس لیے کہ سائنس کا علم آپ کی سمجھ اور علم میں اضافے کا سبب بنے گا، اس سے آپ کے اندر نئی چیزوں کی تلاش کا شوق پیدا ہوگا، اسکولی سطح پر بھی بچے سائنسی تجربے کرتے رہتے ہیں، آپ بھی اسکول کے سائنسی پروجیکٹ میں حصہ لیں، نئے نئے تجربے کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ آپ کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوگی اور آگے چل کر آپ بھی ملک اور قوم کی ترقی اور ناموری میں اپنا کردار ادا کرپائیں گے۔

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

'بچوں کی دنیا' جون کا شمارہ موصول ہوا۔ خوب سے خوب تر کا یہ سفر میری نظروں کے سامنے ہے۔ میں آغازِ وقت سے ہی بچوں کی دنیا کا قاری ہوں۔ مشمولات میں اس بار کچھ نظمیں والد (باپ) پر ہیں جو واقعی قابلِ مطالعہ اور قابلِ داد و تحسین ہیں۔ اردو شاعری میں ماں پر تو تخلیقات لکھی جا رہی ہیں پر باپ پر چند شاعر ہی لکھ رہے ہیں۔ شکیل اعظمی صاحب اور منہاز بانو صاحبہ کی نظموں کے ساتھ محمد اکرام کا مضمون 'باپ گھر کے درخت ہوتے ہیں' بھی خوب ہے۔ عطا عابدی صاحب کی نظم پیامِ صبح بھی اپنے پیغام میں بہت کامیاب ہے۔ سعدیہ صدف صاحبہ کے دوہے بھی مزہ دے گئے۔

سید اسد تابش، بارسی ٹاکلی، ضلع اکولہ، مہاراشٹر
موبائل نمبر:8421427654

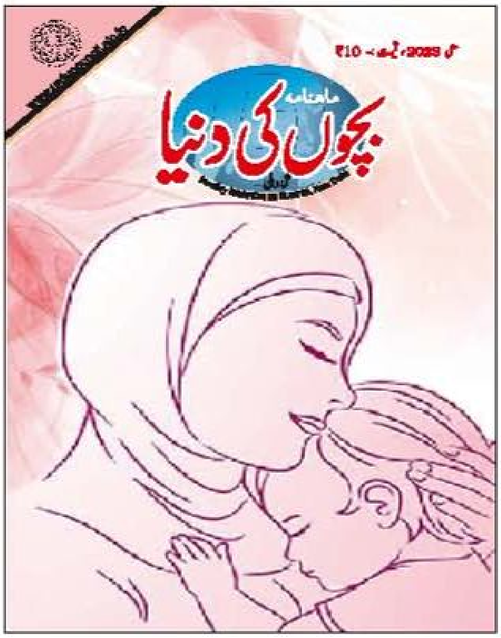

'بچوں کی دنیا' مئی 2023 ہمدست ہوا۔ اس کا سرورق نہایت پرکشش اور متاثر کن ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک ماں اپنے بچے کو سینے سے لگائے گویا عزم صمیم میں مستغرق ہے کہ وہ اپنے بچے پر سب کچھ بلکہ اپنے آپ کو بھی قربان کر سکتی ہے۔ یہ شفقت کی انتہا ہے۔ بچہ جب بھی کوئی خطرہ محسوس کرتا ہے تو اپنی ماں کی پناہوں میں ہی اطمینان و سکون محسوس کرتا ہے۔

اس شمارے میں کوئی 26 اچھے اچھے مضامین ہیں پر محترمہ بانو سرتاج نے مضمون 'گرمی کے دن آئے آئے' لکھ کر بہت متاثر کیا۔ مضمون بھی اتنا پرکشش ہے کہ اس کی طوالت بھلی لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ مضمون کبھی ختم ہی نہ ہو۔ اسے بڑی محنت سے بچوں کی نفسیات کو ذہن میں رکھ کر تیار کیا گیا ہے جس کے لیے مصنفہ اور ادارے کے تمام رفقائے کار کو بہت بہت مبارکباد۔

مصطفیٰ ندیم خان غوری، زرّین ولا، بی 11، گرین ویلی، روضہ باغ، اورنگ آباد (مہاراشٹر) موبائل:9604957100

'بچوں کی دنیا' مئی 2023 کا شمارہ نظرنواز ہوا۔ مطالعے سے دل کو سرور اور آنکھوں کو حاصل ہوا۔ اداریہ میں آپ نے والدین کے احترام کے حوالے سے جو باتیں کی ہیں لائق ستائش ہیں۔ جدید ٹکنالوجی کے زمانے میں والدین

اقرا شاہین اردو ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں کے طلبہ وطالبات اپنے پسندیدہ 'بچوں کی دنیا' کے تازہ شمارے کے ساتھ

کے حقوق کی پامالی ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ ماں کے حوالے سے یوسف رامپوری اور رباب انجم کے مضامین اچھے ہیں۔ رشید احمد صدیقی نے اپنی کہانی کے ذریعے بچوں کو بلند حوصلگی اور عزم و استقلال کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ اقبال برکی نے حروف شمسی اور حروف قمری کے فرق کو بڑے ہی واضح انداز میں ایک کہانی کے ذریعے پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ انھوں نے زبان بھی کافی آسان اور سلیس استعمال کی۔ نظموں کا انتخاب بھی قابل تعریف ہے۔

مصباح الدین طارق، اردو مڈل اسکول، نرکٹیا، ڈاک خانہ: ممتھیار، وایا، بودھ گیا (بہار)، موبائل: 9801996866

'بچوں کی دنیا' مئی 2023 کا شمارہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اداریے میں ماں کے حقوق کی بارے میں اچھی جانکاری فراہم کی گئی ہے۔ واقعی ماں قدرت کا سب سے انمول تحفہ ہے۔ بانو سرتاج کا مضمون 'گرمی کے دن آئے' بہت خوبصورت مضمون ہے۔ سید نوشاد بیگم کا 'جان ہے تو جہان ہے' بھی پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ماں کی عظمت کے حوالے سے یوسف رامپوری کا مضمون 'ماں کی عظمت اور اس کے تقاضے' بہت پسند آیا۔ ان کے علاوہ ماں رباب انجم، سفینہ سماوی اور فاطم النسا لیاقت اللہ خان کے مضامین بھی اچھے ہیں۔ گوشۂ نظم میں بچوں کی لوریاں (راحت مظاہری)، نیم کا پیتہ (وزیر عالم)، اچھا لڑکا (تبسم سحر)، بچوں کی دنیا (محمد رافع شادا عظمی ندوی) بہت خوب ہیں۔ اس شمارے میں چار کہانیاں شامل ہیں۔ اقبال برکی کی کہانی 'چاند سورج والی زبان' مجھے پسند آئی۔ البتہ سنجیدہ (شارق اعجاز عباسی) اور ولی عہد (ریحان کوثر) یہ دونوں کہانیاں مجھے اچھی نہیں لگیں۔ بار دگر کے تحت شامل پکنک بھی کچھ خاص نہیں ہے۔ بچوں کا کتب خانہ کے تحت نیشنل سائنس سینٹر کی سیر بہت خوب ہے۔ قیامت اور سائنس بھی پسند آیا۔

عبدالمجید مکرو، اروانی، کلگام، اننت نگر (جموں و کشمیر)
موبائل:8899964508

رونق جمال

ہندوستان میں عہدوں کی اہمیت

یہ ہم سب کو معلوم ہے کہ صدر جمہوریہ ہند ملک کے پہلے نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ ان کی گنتی نمبر ایک پر ہوتی ہے لیکن سبکدوش ہوتے ہی حالات بدل جاتے ہیں آپ کی معلومات کے لیے بتاتا چلوں کہ ملک کے تمام عام شہری 27 نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔

عہدے سے ہٹنے کے بعد کس نمبر کے شہری بن جاتے ہیں سابق صدر جمہوریہ ہند! سابق صدر جمہوریہ ہند رام ناتھ کووند جو 24 جولائی 2022 کو سبکدوش ہوگئے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ جو صدر جمہوریہ ہند کے عہدے پر رہتے ہوئے ملک کے پہلے نمبر کے شہری ہوتے ہیں وہ سبکدوش ہونے کے بعد کس نمبر کے شہری بن جاتے ہیں! وزیراعظم کس نمبر کے شہری ہوتے ہیں! اور ہمارے ممبر پارلیمنٹ، اسمبلی کے ارکان کس نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ آپ کو بتاتا چلوں کہ ہمارے ملک میں تمام آدمی کو 27 نمبر کا شہری مانا جاتا ہے!

ملک کو دروپدی مرمو کے روپ میں نیا صدر جمہوریہ ہند مل گیا ہے۔ انھوں نے انتخاب میں یشونت سنہا کو ہرایا ہے۔ 25 جولائی 2022 کو دروپدی مرمو صاحبہ نے صدر جمہوریہ ہند کا حلف لے کر ذمے داریاں سنبھال لی ہیں۔ اب اپنے عہدے سے سبکدوش ہونے والے سابق صدر جمہوریہ ہند رام ناتھ کووند راشٹرپتی بھون چھوڑ کر دہلی کے ایک سرکاری بنگلے میں چلے گئے ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ عہدے سے ہٹنے کے بعد سابق صدر جمہوریہ ہند ملک کے کس نمبر کے شہری ہوگئے ہیں؟

ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر صاحب کے ہندوستان کے لیے لکھے آئین کے مطابق ملک میں 27 طرح کے شہری ہوتے ہیں۔ یہ سب ہی خاص عہدوں پر براجمان ہوتے ہیں۔ وزیر داخلہ کے دفتر میں اس کی فہرست ہوتی ہے کہ کن کن عہدوں پر براجمان لوگ ملک کے کس نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ یہ ہم سب کو معلوم ہے کہ صدر جمہوریہ ہند ملک کے پہلے نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ ان کی گنتی نمبر ایک پر ہوتی ہے لیکن سبکدوش ہوتے ہی حالات بدل جاتے ہیں آپ کی معلومات کے لیے بتاتا چلوں کہ ملک کے تمام عام شہری 27 نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ ان سے اوپر ملک کے تمام عہدوں پر براجمان لوگ یا ان

عہدوں سے سبکدوش لوگ ہوتے ہیں۔ اس فہرست میں صدر جمہوریہ ہند سے لے کر وزیر اعظم، صوبائی گورنرس بھی شامل ہوتے ہیں۔ صدر جمہوریہ ہند کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد وہ ملک کے پانچویں نمبر کے شہری بن جاتے ہیں۔

چھٹے نمبر کے باشندے ہندوستان کی سپریم کورٹ کے منصف اعلیٰ ہوتے ہیں اور ساتویں نمبر کے شہری مرکزی کیبنٹ کے وزیر اور صوبوں کے وزرائے اعلیٰ بھی ساتویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ صوبوں کے نیتی آیوگ کے نائب صدور اور سابق وزرائے اعظم، راجیہ سبھا اور لوک سبھا میں حزب اختلاف کے رہنما بھی ساتویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ ساتویں نمبر کے شہری کی فہرست میں بھارت رتن کا انعام پانے والے حضرات بھی شامل ہوتے ہیں۔ سرکار کی جانب سے مقرر کیے گئے تمام صوبوں کے گورنرس (جب وہ اپنی ریاست سے باہر ہو) آٹھویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ تمام مرکزی سفیر حضرات بھی آٹھویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ نویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں چیئرمین یو پی، ایس سی، سپریم کورٹ کے تمام جج صاحبان اور چیف الیکشن کمشنر۔ دسویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں راجیہ سبھا کے ڈپٹی چیئرمین، نائب وزرائے اعلیٰ، لوک سبھا کے ڈپٹی اسپیکر، نیتی آیوگ کے تمام ممبران، تمام صوبوں کے وزرا بھی دسویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں۔ گیارہویں نمبر کے شہری اٹارنی جنرل، کیبنٹ سکریٹری، لیفٹیننٹ گورنرس ہوتے ہیں۔ بارہویں نمبر کے شہری چیف آف آرمی اسٹافس، ایئر چیف مارشل، چیف آف نول اسٹاف ہوتے ہیں۔ تیرہویں نمبر پر تمام سفیر حضرات کہلاتے ہیں۔ چودہویں نمبر کے شہری صوبوں کی اسمبلی چیئرمین اور ودھان سبھا کے اسپیکرس کہلاتے ہیں۔ ہائی کورٹس کے چیف جسٹس صاحبان بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ پندرہویں نمبر پر تمام صوبوں کے وزرا آتے ہیں۔ مرکز کے زیر نگرانی صوبوں کے وزیر اعلیٰ بھی اور دہلی کے کاؤنسلر کے علاوہ مرکز کے زیر نگرانی صوبوں کے وزیر بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ سولہویں نمبر پر لیفٹیننٹ جنرل آتے ہیں۔ سترہویں نمبر پر اقلیتی کمیشن کے صدر، ایس سی، ایس ٹی کمیشن کے صدر، ہائیکورٹ کے جج صاحبان اور ان کی برابری کے عہدے والے افسران شمار کیے جاتے ہیں۔

اٹھارہویں نمبر پر صوبائی کیبنٹ منسٹرس، صوبے کے اسمبلی کے صدور، صوبے کے تمام آیوگ کے صدور، مرکز کے ماتحت علاقوں کے اعلیٰ افسران، دہلی مہانگر پریشد کے صدر آتے یں۔ انیسویں نمبر پر صوبے کے راجیہ منتری اور صوبے کے اعلیٰ افسران آتے ہیں۔ بائیسویں نمبر پر ودھان سبھا کے چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین اور ان سے متعلق افسران آتے ہیں۔ اکیسویں نمبر پر ملک کے تمام ممبر پارلیمنٹ آتے ہیں۔ بائیسویں نمبر پر ہوتے ہیں تمام صوبوں کے نائب وزیر۔ ملک میں تیئیسویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں آرمی کمانڈرس، وائس چیف آف آرمی اسٹاف، صوبائی سرکاروں کے چیف سکریٹری برائے لسانی اقلیات۔ چوبیسویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں لیفٹیننٹ جنرل آف انڈین آرمی وغیرہ۔ پچیسویں نمبر کے باشندے ہوتے ہیں میجر جنرل اور ان کی برابری والے عہدے کے افسران۔ جوائنٹ سکریٹریز اور آرمی کے میجر جنرل وغیرہ چھبیسویں نمبر کے شہری ہیں۔ ستائیسویں نمبر کے شہری ہوتے ہیں ملک کے تمام عام لوگ یعنی آپ بھی اور میں بھی ——!

■

Ronaq Jamal
Kaainat Street No 9, New Adarsh Nagar
Drurg- 491001 (Chattisgarh)
Mob.: 9981072672

عظیم اقبال

جاگتی آنکھوں کا خواب

اپنے موضوع کی ابتدا ہم ایک روایتی مختصر قصے سے کرتے ہیں، سنیے:

''ایک کسان تھا۔ وہ کسی کمہار کے کارخانے میں گیا۔ اس کے پاس ایک ڈنڈا تھا اور ایک چھوٹی طشتری میں کچھ کھانے کی چیزیں تھیں۔ جیسے ہی وہ زمین پر دراز ہوا، وہ سوچنے لگا۔۔۔ اگر میں اس کھانے کو فروخت کردوں تو اس کی آمدنی سے ان برتنوں میں سے کچھ خرید سکتا ہوں۔ پھر انھیں بیچ کر کچھ منافع کما لوں گا۔ اسی رقم سے بیچنے کے لیے کچھ کپڑے خریدلوں گا۔ اسی طرح کچھ وقت بعد میری حیثیت کئی ہزار روپیوں کی ہوجائے گی۔ اس کے بعد ایک گھر خریدلوں گا۔ پھر شادی کروں گا۔ جونہی وہ یہ سب سوچ رہا تھا، اس نے اپنا ڈنڈا گھمایا۔ اس سے اس کی طشتری کے ٹکڑے ہوگئے۔ کمہار کے بہت سارے برتن بھی ٹوٹ گئے۔''

تمہید: کیا کوئی ایسا فرد ہے جو کبھی کبھار جاگتے میں خواب نہ دیکھتا ہو؟ یوں یہ حالتِ بیداری یا دن میں خواب دیکھنا اچھا ہے۔ ایسے خواب میں ہم خود کو کچھ خوشگوار کام میں مصروف دیکھتے ہیں۔ کسی بڑی فتح سے لطف اندوز ہوتے ہیں، یا وہ جسے پانے کی آرزو رہی ہو، اسے پاتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

دن کا خواب: دن میں خواب دیکھنا، واقعی ایک خواب دیکھنے جیسا ہی ہے، یہ محض جاگتے وقت ہوتا ہے۔

اس سے مراد کسی چیز کے تئیں گہری تحریک یا امید ہے۔

رات کا خواب: رات کا خواب اس وقت ہوتا ہے، جب ہم نیند میں ہوتے ہیں۔

حالتِ سکون: سوتے اور جاگتے دونوں وقت کے خوابوں میں صرف وقت کا فرق ہوتا ہے۔ یہ دونوں اس وقت واقع ہوتے ہیں جب ہم پرسکون (Relaxed) ہوں تا کہ جو کچھ گرد و پیش میں ہو، اس پر توجہ نہ دیں۔

آوارہ خیالی: اس حالتِ سکون میں خیالات منتشر ہوجاتے ہیں (Wander)۔ دونوں طرح کے خواب بیشتر اجنبی لوگوں، جانوروں یا حالات سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ وہی ہے جو حقیقی زندگی میں نہیں ہوا ہے۔

رات کا خواب: رات کے خواب یا سونے کے اوقات کے خواب زیادہ غیر معمولی ہوتے ہیں۔ وہ دن کے خواب کی بہ نسبت زیادہ غیر حقیقی ہوتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ نیند کی حالت میں فرد کو اپنی سوچ پر قابو نہیں ہوتا۔

درجہ بندی: یہ بات دلچسپ ہے کہ جاگتے وقت کے خواب یا دن کے خواب بیشتر بچے دیکھتے ہیں۔ انھیں سیانے کم دیکھتے ہیں۔

بچوں کا دن کا خواب ایک تصورات کھیل کے ساتھی (Playmate) کے بارے میں ہوتا ہے اور دوئم، گود لیے ہوئے (Adopted) بچے کے متعلق ہوتا ہے۔ کون بچہ، جس کے ساتھ کھیلنے والے ساتھی کم ہوں، وہ خواب دیکھے گا کہ اس کو ایک پلے میٹ مل گیا ہے۔ دوسرا بچہ یہ تصور کرنا پسند کرتا ہے کہ وہ کچھ خاص ہے، جیسے کہ کوئی شہزادہ یا شہزادی اور اس کے والدین شاہ اور ملکہ ہیں۔ ایسا بچہ جاگتے میں خواب دیکھتا ہے کہ اسے گود لے لیا گیا ہے اور اس کے حقیقی والدین شاہوں سے وابستہ ہیں۔

مزید تشریح: ظاہر ہے کہ دن کے خواب میں ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے یا جو کچھ ہم چاہتے ہوں، اس کا اظہار ہوتا ہے۔

فرق: رات کے خواب میں بیشتر ہم انھی چیزوں کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ اس کا بھی اظہار کرتے ہیں، جس سے ہم خوفزدہ ہیں۔

اندرون کا اظہار: دونوں ہی حالات میں خواب کہیں باہر سے نہیں آتے، بلکہ اندرون کا اظہار ہیں۔ یہ صرف کسی فرد کی خواہش، آرزو، خوف یا ضرورت کی نمائش ہے۔

موقع: خواب سے ایک موقع ملتا ہے، جس سے ان سب کا اظہار ہوجاتا ہے۔ دن کے خواب سے آدمی کو وہ موقع مل جاتا ہے جو اس کی حقیقی زندگی میں نہیں ملا۔

افادیت: چند صورتوں میں ان سے خواب دیکھنے والے کی مدد ہوتی ہے۔ اس سے اصل زندگی میں وہ منصوبہ بندی کرتا ہے۔

راحت: رات میں خواب دیکھنے والے کے احساسات پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان سے ان کی آرزوئیں پوری ہوتی ہیں۔ ان سے ان کے خوابیدہ ہونے اور راحت پانے میں مدد ملتی ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ خواب، خود کلامی ہے، خواب مسافر کے لیے اس کا خاص مطلب ہوتا ہے۔

عزیز دوستو! رات ہو کہ دن ہو، ہم خواب ضرور دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ جانور بھی خواب دیکھتے ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ خواب پر اپنا بس نہیں ہوتا۔ ایسا نہیں کہ جیسا چاہیں یا جب چاہیں خواب دیکھ لیں! کہا بھی گیا ہے— نیند ہماری، خواب تمہارے“ جہاں تک دن کے خواب کا تعلق ہے اسے ابتدائے مضمون میں پیش کردہ کردار کا خواب نہ بننے دیں تو بہتر ہے!

■

Azim Iqbal
Adabistan, Ganj No: One
Bettiah- 845439
Mob.: 9006502649

وسیم سعید

دوستی اور اس کے تقاضے

والدین کی حیاتیاتی خصوصیات بنی نوع انسان کی وراثت میں پائی جاتی ہیں، بالکل اُسی طرح جہاں ہماری وِلادت ہوتی ہے، ہم جس ماحول اور جگہ پر پرورش ونشوونما پاتے ہیں۔ اُسی معاشرے میں ہمیں بہت سے تصورات بھی وراثت میں ملتے ہیں۔ ہندوستانی معاشرے میں یہ عام عقیدہ ہے کہ ہمارے گہرے اور مخلص دوست ربِ کائنات کا عطا کردہ نایاب اور انوکھا تحفہ ہوتے ہیں۔ یعنی جن کے ساتھ ہمیں زندگی میں مضبوط دوستی کرنی ہوتی ہے، وہ خود بخود ہوجاتی ہے۔ ایسے معاملات میں کوشش اور محنت کرنے کی ضرورت درپیش نہیں آتی ہے۔ کچھ معاملات میں یہ بات سچ بھی ہوسکتی ہے۔ بہت سے لوگوں کو وراثت میں ایسا ماحول ملتا ہے، جہاں بغیر کسی کاوش اور جدوجہد کے شاندار، عمدہ اور بہترین اچھے اخلاق و کردار والے دوست پالیتے ہیں۔ ان کا لب ولہجہ پھولوں کے مانند ہوتا ہے، جن کی باتوں کی خوشبو سے روح تک مہک جاتی ہے۔ جو وفاؤں میں باکمال اور محبتوں میں لازوال ہوتے ہیں، لیکن ہر کسی کی قسمت ایسی نہیں ہوتی اور ایسی حالت میں کوشش کر کے دوست بنانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔

بعض اوقات دوستی کے لیے گھر اور خاندان کا ماحول ناسازگار اور ناموافق ہوتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں دوستوں سے دوری اختیار کرنے میں ہی بچے اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ اس طرح بچے دوستوں سے دور ہونے کے باعث خدا کے عطا کردہ نادر اور انمول رشتے سے محروم ہوجاتے ہیں۔ ایک عمر طے کرنے کے بعد بھی انھیں اپنے بچپن کے ہمجولی اور ہم مکتب دوستوں سے تعلقات قائم کرنے میں دشواریاں و پریشانیاں درپیش آتی ہیں۔ کیونکہ وہ دوستی کے اصول وضوابط اور حصولِ مقاصد سے واقف نہیں ہوتے، جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ یادوں کے سمندر میں موجوں کی طرح غوطے لگاتے رہتے ہیں۔ کبھی اُبھرتے اور کبھی ڈوبتے ہیں اور تنہائی میں اپنی بے بسی و بے ثباتی پر آنسو بہاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ ان کے اندر ہمت، طاقت، حوصلہ اور خود اعتمادی کا مادہ بھی باقی نہیں ہوتا کہ وہ اپنے دوستوں سے تعلقات کو استوار کرسکیں۔ ان سے فاصلے کم کر کے نزدیکیاں قائم کرسکیں۔ موجودہ دور میں اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ بچے دوستی کے لیے حد سے زیادہ تجاوز کرجاتے

ہیں۔ جو دوستی کے حقوق ادا کرنے کو ہی تمام رشتوں سے اعلیٰ اور افضل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ہر رشتے ناطے کو درکنار کر کے دوستی کے فرائض انجام دینا وہ اپنا اولین فرض عین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہر رشتے کی اپنی اپنی حدیں مقرر ہوتی ہیں۔ اکثر اس قسم کی دوستی کا نظارہ ہمیں شادی بیاہ کی تقریب، گھریلو لڑائیوں، آپسی انتشار اور دیگر مواقع پر دیکھنے کو ملتا ہے۔

یوں تو دوستی، دُنیا میں زندگی بسر کرنے والے تمام انسان کرتے ہیں۔ لیکن ہم اسے کتنی مشکل، جدوجہد اور محنت سے حاصل کرتے ہیں، کتنا ہم ساتھ نبھاتے ہیں، اپنے دوست کے ساتھ کتنی دور تک چل سکتے ہیں، یہ تو وقت ہی بتاتا ہے۔ ہمیں زندگی کا طویل سفر گزارنے کے لیے کسی پیارے رشتے کی ضرورت محسوس ہوتی ہیں اور یہ پیارا سا، معصوم اور نازک رشتہ 'دوستی' کہلاتا ہے۔ دوستی کے بغیر ہماری زندگی بے معنی، ادھوری اور نامکمل سی معلوم ہوتی ہے۔ دوستی ایک ایسا رشتہ ہے جو ہمیں زندگی میں طاقت، توانائی، حوصلہ اور کچھ منفرد کام کرنے کا درس دیتا ہے۔ جب ہم مایوس ہوتے ہیں تو اُمید کی کرنیں اُن دوستوں سے ملتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہم نے اپنی دوستی کو کتنی اہمیت دی ہے۔ خوش مزاج اور زندہ دل دوست ایسے ہوتے ہیں جو اپنے ارد گرد کے ماحول کو اُداس اور غمگین رکھنا پسند نہیں کرتے اور نہ ہی اُداس اور مایوس رہنا اُن کی فطرت میں شامل ہوتا ہے۔ وہ ہر لمحہ جوش و خروش کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور اپنے دوستوں کو بھی اس طرز کی زندگی بسر کرنے کا درس اور تعلیم دیتے ہیں۔ زندگی کے بارے میں ان کا فلسفہ ایسا ہے کہ زندگی ایک خوبصورت اور خوشگوار سفر کا نام ہے۔ کون جانے کل یہاں کیا ہو جائے۔ خوشی ہو یا غم، ایسے دوست ہماری زندگی میں بہت معنی رکھتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس ایسا دوست ہو تو پھر آپ دُنیا کے بہت خوش قسمت انسانوں میں سے ایک ہیں۔ یہ دوست آپ کو رشتوں کی بہت سی نئی تعریفیں عطا کرتے ہیں۔ جو آپ کو بتاتے ہیں کہ زندگی اُداس، مایوس اور غمگین رہنے کا نام نہیں ہے۔ زندگی امیدوں کا سمندر بھی ہے، آپ کو بس اپنی پوشیدہ نظروں سے دیکھنا اور سمجھنا ہے۔ ایسے دوست روح کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ دوستی کا رشتہ عارضی نہیں ہوتا بلکہ سچی دوستی وہ ہوتی ہے جو ہمیشہ باقی رہے۔ دوستی ایک بار کی جاتی ہے اور عمر بھر نبھائی جاتی ہے۔

کچھ دوست بہت زیادہ تحفظ پسند، نگہبان اور دیکھ بھال کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ زندگی کے ہر اُس لمحے میں شامل ہوتے ہیں، جہاں کسی اچھے اور بہترین دوست کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے دوست کی دیکھ بھال کرنے والی فطرت انھیں جداگانہ اور منفرد کرتی رہے۔ ان کی میٹھی میٹھی باتیں اور سادہ لوح طبیعت آپ کو اس سے اور بھی قریب لاتی ہے۔ ایسے دوست زندگی کو مزید آسان اور سہل بنا دیتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں ان سے ہمیشہ ایک خوشی، مسرت اور راحت میسر ہوتی ہے اور یہ احساس ہوتا ہے کہ کوئی ہے جو میرا خیال رکھتا ہے۔ ایسے دوست واقعی تاعمر خیال رکھتے ہیں۔ ان کا ہماری زندگی میں ہونا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے ہمیں احساس ہوتا ہے کہ خون کے رشتوں کے علاوہ مذہب، ذات پات، رنگ و نسل کی تفریق کیے بغیر دُنیا میں ایسے رشتے بھی ہوتے ہیں جو تاعمر نبھائے جاتے ہیں۔ ہماری زندگی میں دنیاداری سے پرے ایسے دوست ہونا نہایت ضروری ہے۔

مختصر مزاج اور جارحانہ رویے والے دوست کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ بات بھلے کڑوی کیوں نہ ہو بتانا نہایت ضروری سمجھتے ہیں۔ اس کو وہ اپنا فرض عین سمجھتے ہیں کہ بات اپنے تک ہی محدود نہ رکھیں۔ ایسے دوست کڑوی بولی بولتے ہیں لیکن حقیقت میں بہت میٹھے ہوتے ہیں۔ ایسے دوست بہت کم ملتے

ہیں جو آپ کے سامنے آپ کو صحیح اور غلط کے درمیان فرق کو صاف صاف بتا دیں۔ آپ کو بتا دیں کہ آپ کہاں صحیح اور کس جگہ غلطی پر ہیں۔ ایسے دوست آپ کے ساتھ دوستی برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور کسی بھی قسم کی چاپلوسی والا کردار ادا نہیں کرتے ہیں۔ آپ کی اچھی بھلی تمام چیزوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اگر وہ دیکھتے ہیں کہ آپ غلط راستے پر جا رہے ہیں تو فوراً آپ کی اصلاح کے لیے مناسب اقدامات کرتے ہیں۔ آپ کو ڈانٹ کر سیدھے راستے پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ان کا دوست مخالف اور منفی راستے پر چلے یا اُس کے ساتھ کچھ بُرا سا حادثہ پیش آجائے۔ ایسے دوست زندگی میں بہت کم ملتے ہیں جو ہمیں دھمکیاں دیتے اور تنگ کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر تھپڑ بھی مارتے ہیں۔

کنجوس اور حد سے زیادہ خرچ کرنے والے دوست کا زمرہ تھوڑا مختلف ہے۔ لیکن اس قسم کے دوست ہمیں ایک سبق اور درس بھی دیتے ہیں۔ کنجوس دوست کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر چیز میں ناپ تول کرتے ہیں۔ کنجوس دوست مختلف قسم کے ہوتے ہیں، وہ پیسے کو بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اخراجات کو بھی۔ وہ اسراف نہیں کرنا چاہتے۔ یہ دوست ہمارے لیے ایک مثال ہے کہ کنجوس بھی اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن ضرورت پر خرچ کرنا بھی غلط نہیں سمجھتے بلکہ دونوں میں توازن رکھنا بھی ضروری ہے۔ آپ کا یہ دوست آپ کو ہمیشہ یاد دلاتا ہے کہ مہنگائی اور گرانی مسلسل بڑھتی جا رہی ہے۔ اپنی مالی حالت پر توجہ دیں۔ اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق خرچ کریں۔ وہ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے آپ کو روشناس کراتے ہیں۔ دنیا کی چکا چوند اور رنگینوں میں ہم اکثر اپنی حیثیت اور اوقات بھول جاتے ہیں تو ایسے دوست کئی بار سچائی سے ہمیں روبرو کرا دیتے ہیں۔ زندگی میں ہر ذائقے کی ضرورت ہوتی ہے، کھٹا میٹھا، نمکین، تیکھا۔ اسی طرح دوستی بھی ہوتی ہے۔ ہمیں زندگی کے طویل سفر میں ہر طرح کے دوستوں کی ضرورت ہے۔ مختلف قسم کے دوست ہماری زندگی میں الگ الگ طریقوں سے اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب کی وجہ سے ایک خوش مزاج اور خیال رکھنے والا دوست ہمیشہ ہماری زندگی میں سرفہرست ہوتا ہے۔

کیونکہ زندگی گزارنے کے لیے ہم سب کو ایک جیسا ماحول اور پرورش و تربیت میسر نہیں ہوتی۔ ساتھ میں اٹھنے بیٹھنے کے لیے ایک جیسے لوگوں کا گروپ نہیں ملتا۔ اس لیے ضروری نہیں کہ ہر کسی کو بغیر کسی محنت و مشقت کے اچھے دوست مل جائیں۔ یوں تو زندگی میں بہت ساری چیزوں کو ہم اپنی محنت و کوشش سے حاصل کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہم اپنی کاوش، جدوجہد اور چاک و چوبند رہنے والی صلاحیت اور بیداری سے اچھے دوست بھی بنا سکتے ہیں۔ دوست بنانا بھی بہت سے شاندار فنون میں سے ایک فن اور ہنر ہے اور اسے سیکھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ اپنی زندگی میں ایسے لوگوں سے ٹکراتے ہیں جو اپنے اچھے دوست نہ ہونے کا رونا روتے ہیں تو یہ بالکل نہ سمجھیں کہ ان کے نصیب میں دوست نہیں ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ جنھیں گہرا یا پختہ دوست کہا جاتا ہے، اسے اپنی بد نصیبی نہ سمجھیں۔ بلکہ یہ سمجھیں کہ آپ میں کسی چیز کی کمی یا خامی موجود ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ آپ دوست بنانے میں بہت کمزور ثابت ہو رہے ہیں۔

یہاں قدم قدم پر نئے فنکار ملتے ہیں
لیکن قسمت والوں کو سچے یار ملتے ہیں

اگر آپ کی زندگی میں اچھے دوستوں کی کمی ہے اور آپ اچھے دوستوں کے خوشگوار احساس و جذبات سے میسر ہونا

چاہتے ہیں تو آپ کو پہلے ایسے دوست بنانے یا تلاش کرنے کے لیے اپنا قیمتی وقت نکالنا ہوگا۔ آج کی تیز رفتار زندگی میں ہر کوئی جس ایک دولت سے محروم ہے وہ وقت کی دولت ہے۔

ہم روزانہ احمقانہ سیریل دیکھنے میں گھنٹوں اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں۔ چاہے وہ سیریل ہمیں اچھا لگے یا نہ لگے۔ ہم فیس بک، انسٹا گرام پر گھنٹوں گزار دیتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات شعوری طور پر اچھے دوست ڈھونڈنے کے لیے آنکھیں کھو دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وقت نہیں ملتا۔ اب آپ پوچھیں گے کہ اچھے دوست کہاں سے ملیں گے؟ اُن تمام جگہوں پر جہاں آپ اپنے دن کا زیادہ تر حصہ گزارتے ہیں۔ جہاں آپ کا اٹھنا، بیٹھنا یا ٹھہرنا ہوتا ہے۔ اُسی مقام پر آپ کو قریبی اور سچے دوست ملیں گے۔ اگر آپ ملازمت کرتے ہیں تو اپنے دفتر یا آفس میں، طالب علم ہیں تو جماعت میں، کینٹن میں، مطالعہ گاہ میں، میدان میں، اسکولوں اور کالجوں کی آنے والی بسوں میں، سرگرمیوں میں، بات چیت کے دوران ہمدردی اور نفرتوں میں، کھیلوں میں یا کسی بھی سرگرمیوں میں آپس میں کوئی نہ کوئی ایسا شخص مل جائے گا جس کی موجودگی آپ کے دل و دماغ کو بہت زیادہ متاثر کرے گی۔ آپ کو اُس سے بات کرنے کا دل چاہے گا، اس کے ساتھ وقت گزارنے کی خواہش اور آرزو پیدا ہوگی۔ آپ کو اس کی ہر ادا دل فریب اور دلکش لگے گی اور اُس کی موجودگی آپ کو تر و تازگی بخشے گی۔

کسی نہ کسی بہانے سے بات چیت اور گفتگو کی پہل کر کے دوستی کرنے کی کوشش کریں۔ اُس کا فون نمبر لیجیے اور اپنا نمبر دیجیے۔ جو آپ دونوں میں صاف صاف ایک جیسا دکھائی دے

رہا ہو تو آج نہیں تو کل آپ کی دوستی اُس سے ہو جائے گی۔

دوست بنانے سے پہلے کبھی کسی کے چہرے، ذات پات اور مذہب کو نہ دیکھیں بلکہ اس کے اچھے اخلاق اور اس کی چاہت کو جاننے کی کوشش کریں۔ اور ایک بات ہمیشہ یاد رہے کہ دوستی میں کسی بھی بات کا موازنہ نہیں کرنا چاہیے۔ دراصل ہما ری زیادہ تر لوگوں سے دوستی اس لیے ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں ہو پاتی کیونکہ ہم جنھیں اپنا دوست تسلیم کرتے ہیں ان پر اپنے موازنے کی گہری چھاپ چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمارے پیمانے پر کھرا اُترے۔ اگر آپ کو بھی ایسا ہی لگتا ہے تو تسلیم کیجیے کہ آپ کو دوست کی نہیں بلکہ ایک گدھے کی ضرورت ہے۔ جو آسانی سے آپ کا بوجھ اُٹھا سکے۔ دوستی وہ ہے جو چہرہ دیکھ کر دل کا حال جان لے ورنہ یوں تو اچھے وقت میں غیر بھی دوست بن کر پاس بیٹھتے ہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ 'جہاں صداقت اور خلوص نظر آئے وہاں دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ ورنہ تنہائی بہترین رفیق ہے'۔

دُنیا میں سب سے نایاب چیز عزت اور قیمتی شے دوستی ہے۔ اکثر ہم اپنے بڑوں و بزرگوں کی زبان سے یہ جملہ سنتے ہیں کہ عزت کمائی نہیں جاتی بلکہ اپنی محنت، کوشش اور اپنے اچھے اخلاق و عادات و حسن سلوک سے حاصل کی جاتی ہے۔ جی ہاں! اگر آپ کو کسی سے عزت چاہیے تو سب سے سیدھا، آسان اور پرانا طریقہ یہ ہے کہ اس شخص کا خوب احترام و اکرام کریں اور آخر میں اس بات کا خیال رکھیں کہ چاہے آپ کتنے ہی بڑے تیس مار خاں کیوں نہ ہو، آپ کے دل میں دوستی کا جذبہ، دماغ میں دوستوں کا ادب و احترام ہونا لازمی ہے۔ اپنے اندر کے تمام گھمنڈ، غرور اور انا کو ایک جانب رکھیں۔ اگر دوست بنانے کے لیے ان کچھ طریقوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو یقین مانیے، آپ نہ ہی دوستی سے محروم رہیں گے اور نہ ہی یہ کہیں گے کہ میرا کوئی بہت گہرا دوست نہیں ہے۔

ہر نئی چیز اچھی لگتی ہے، لیکن دوستی جتنی پرانی ہوتی ہی اچھی، پختہ اور مستحکم ہوتی ہے۔ دوستی وہ احساس ہے جو ہنستے ہوئے چہرے کے غم کو پہچان لے۔ لمبی اور طویل دوستی کے لیے دو چیزوں پر عمل کریں، ایک اپنے دوست سے غصے میں بات مت کریں اور خود اپنے دوست کی غصے میں کہی ہوئی بات کو دل پر مت لیں۔ ایک بہت بڑے فلاسفر کا کہنا ہے کہ تمھارے ہر درد کی دوا تمہارے پرانے دوست ہیں۔ اپنے پرانے اسکولوں و کالجوں کے دوستوں سے رشتہ قائم رکھا کرو کیونکہ وہ ایک حکیم ہیں جو الفاظ سے علاج کر دیتے ہیں۔ یہ کمبخت دوست کبھی بوڑھا نہیں ہونے دیتے۔ ایسے دوست زندگی کے سفر میں کہیں بھی، جن حالات میں، جس مقام پر آپ سے روبرو ہو گئے تو سب سے پہلے آپ کی خیریت و عافیت ہی پوچھتے ہیں۔

ساری عمر آنکھوں میں ایک خواب یاد رہا
صدیاں گزر گئیں وہ لمحہ یاد رہا
جانے کیا بات تھی اُس کی دوستی میں
ساری محفل بھول گئے وہ دوستانہ یاد رہا

بہر حال میری تمام لوگوں سے گزارش اور درخواست ہے کہ اپنے دوستوں کی فہرست میں ہمیشہ ایسے سنجیدہ لوگوں کو شامل رکھیں، جو سیاسی اختلافات کے باوجود عزت و احترام، ادب اور باوقار گفتگو کا ہنر رکھتے ہوں۔ الفاظ کا چناؤ اچھا کریں یہ آپ کی شخصیت، تربیت اور خاندان کی شناخت اور پہچان بنتے ہیں۔

■

Waseem Saeed
Near Masood Hotel
Gujri BazaarKamptee,Nagpur - 441001
Maharashtra,Mob.: 7620594269

سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم بچوں کے لیے ضروری ہے: عزیز انصاری

س: بچپن کی کون سی باتیں/ شوخیاں/ شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: اس سوال کا اگر تفصیلی جواب دیا جائے تو شاید کسی اور سوال کے جواب کے لیے جگہ پانا مشکل ہو جائے۔ ایک ایسا واقعہ یاد آ رہا ہے جو اس سوال کے جواب میں بتایا جاسکتا ہے۔ مڈل اسکول کے ہم نئے نئے طالب علم تھے۔ اسکول اور وہاں کے اساتذہ کے مزاج سے واقف بھی نہیں ہوئے تھے اور ہماری شرارتیں شروع ہوگئی تھیں۔ جب بھی کوئی خالی پیریڈ ہمیں ملتا ہم کلاس میں مشاعرہ شروع کر دیتے۔ جو جیسا لکھتا سنانے لگتا، جو خود نہیں لکھتا تھا وہ اپنی پسند کے دوسروں کے اشعار اور نظمیں سناتا۔ خوب داد و تحسین دی جاتی تو شور شرابہ بھی ہونے لگتا۔

عزیز انصاری

جلد ہی ہمارے اس مشاعرے کے چرچے پورے اسکول میں ہونے لگے۔ بات ہیڈ ماسٹر صاحب تک بھی پہنچ گئی۔ ایک دن کلاس کا دروازہ بند کر کے ہم مشاعرہ کر رہے تھے کہ دستک ہوئی۔ دروازہ کھولتے ہی ہیڈ ماسٹر صاحب کے دیدار ہوئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب یعنی جناب نواب علی صاحب ایک شاندار بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ انھیں دیکھتے ہی کلاس میں سناٹا چھا گیا۔

پوچھا گیا، کیا ہو رہا ہے؟ کسی کا جواب سنے بغیر کہنے لگے، چلنے دو، میں بھی تو سنوں تم لوگ کیا کہتے ہو، کیا سناتے ہو۔ جب کوئی کچھ کہنے پر راضی نہ ہوا تو خود ہی کہنے لگے۔ فرصت کے وقت کا استعمال ہونا چاہیے لیکن اس طرح نہیں، جو

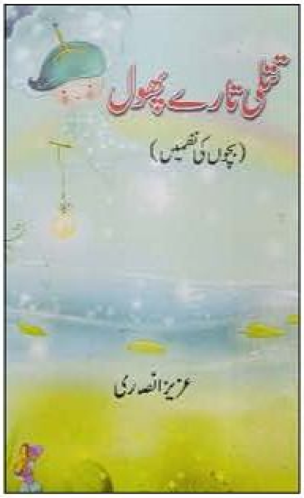

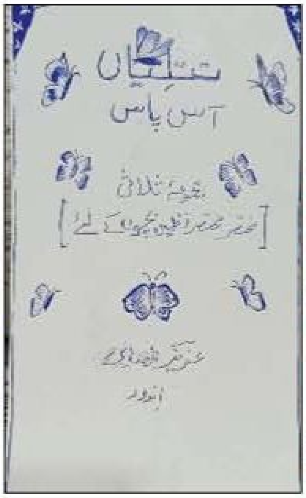

عزیز انصاری کی کتابوں کا عکس

طریقہ تم نے پسند کیا ہے وہ غلط ہے اور بہت سے کام ہیں جو اس فرصت کے وقت میں کیے جا سکتے ہیں۔ آئندہ میں یہ نہ سنوں کہ یہاں یہ سب کچھ ہو رہا ہے، میں نے سنا بھی ہے اور دیکھا بھی ہے کہ جس قوم میں زیادہ شاعر پیدا ہو جاتے ہیں وہ قوم برباد ہو جاتی ہے۔ سنا آپ نے میں کیا کہہ رہا ہوں، وہ قوم برباد ہو جاتی ہے۔ تمہارے والدین نے تمھیں یہاں اچھا انسان بننے کے لیے بھیجا ہے، نہ کہ شاعر بننے کے لیے۔ یہ پہلا موقع ہے اس لیے میں صرف وارننگ دے رہا ہوں۔ اب اگر ایسا کرتے ہوئے تم لوگ پائے گئے تو سخت سزا دی جائے گی۔

س: بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج: اسماعیل میرٹھی کی نظمیں ہم ان دنوں پڑھا کرتے تھے۔ علامہ اقبال بھی بہت پسند تھے اور آج بھی ہیں۔ 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' اور 'لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری' آج بھی کہیں سن لیتا ہوں تو رک جاتا ہوں اور اسی انہماک اور دھیان سے سنتا ہوں۔

س: بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

ج: کورس کی کتابیں ہی مشکل سے خریدی جاتی تھیں۔ کوئی اور کتاب خریدنا اور بھی مشکل تھا، لیکن رسالہ 'کھلونا' ضرور کہیں نہ کہیں دیکھنے اور پڑھنے کو مل جاتا تھا اسے ہم بڑے انہماک سے پڑھا کرتے تھے۔

س: بچپن میں بچوں کے کون کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

ج: کورس کی کتابیں ہی ہم بڑی مشکل سے پڑھا کرتے تھے۔ دوستوں سے اور شرارتوں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی پھر بھی اگر 'کھلونا' رسالہ کہیں مل جائے تو اسے ضرور پڑھتے تھے۔

س: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے ان بزرگوں کی زندگی کے حالات بتانے والی کتابوں کی شدید ضرورت ہے جنھوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے زندگی بھر جانفشانی کی اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو سیدھا اور سچا راستہ دکھایا۔

بچوں کے لیے ایسی کتابیں بے حد ضروری ہیں جو انھیں حق اور صداقت کے راستے پر چلتے ہوئے موجودہ دور کے تقاضوں سے بھی واقفیت کروائیں۔ بچوں کو ان تقاضوں کو پورا کرنے میں کسی طرح کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

س: زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے مفید اور رہنما ثابت ہو سکتی ہیں؟

ج: ایسے مصنفین جو بچوں کی فطرت اور ان کی ذہنی صلاحیت کو اچھی طرح سمجھتے ہوں، جن کی زبان سادہ اور سلیس ہو۔ جن کی تحریر اور بیان میں کسی طرح کا الجھاؤ نہ ہو۔ دقیق اور مشکل الفاظ کا استعمال نہ کے برابر ہو۔

س: مستقبل اور کیریئر سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا مفید ثابت ہوگا؟

ج: دیکھیے یہ زمانہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے اس لیے ہر سبجیکٹ کے بچوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی کم ازکم وہ جانکاری ضرور حاصل کرے جس سے ہر شخص کا واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر موبائل، کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، اے ٹی ایم اور بینکنگ کے نئے نئے طریقے، انٹرنٹ وغیرہ۔

س: اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: ایک لوور مڈل کلاس فیملی میں میری پیدائش 7 مارچ 1942 کو اندور مدھیہ پردیش میں ہوئی۔ میں اپنی ماں کو شکل وصورت سے نہیں پہچانتا اس لیے کہ جب میں قریب ایک سال کا تھا تب ہی ماں مجھے اکیلا چھوڑ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیائے فانی سے کوچ کرگئی۔ گھر میں دو بڑی بہنیں تھیں، انھوں نے پوری کوشش کی کہ مجھے ماں کی کمی محسوس نہ ہو۔ خیر جب چار پانچ سال کا ہوا تو قریب کے ایک سرکاری اردو پرائمری اسکول میں داخل کروادیا گیا۔ پھر سرکاری مڈل اسکول اور ہائی اسکول میں داخلہ ہوتا گیا۔ ہائی اسکول میں یہ سہولت تھی کہ اردو سبجیکٹ والے طالب علموں کو سائنس سبجیکٹ بھی مل جایا کرتا تھا۔ میرا سبجیکٹ شروع سے ہی اردو رہا تھا لیکن یہاں ہائی اسکول میں میں نے اردو کے ساتھ سائنس سبجیکٹ بھی لے لیا۔ ان دونوں مضامین کے ساتھ میں نے میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کرلیا۔

1958 میں میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج میں ایڈمیشن کا سوال آیا، گھر میں کوئی رہنمائی کرنے والا نہ تھا اس لیے اپنے استادوں اور خیر خواہوں سے مشورہ کرکے ایگری کلچر کالج میں داخلہ لینے کی جدوجہد شروع کردی۔ یہاں ایڈمیشن سے پہلے انٹرویو اور پھر ٹیسٹ میں پاس ہونا لازمی تھا۔ انٹرویو اور رائٹنگ ٹیسٹ دونوں میں کامیاب ہوا۔ فیس کا خرچ والد صاحب نے ادا کردیا اور کہا کہ پڑھو۔ یہ بڑا عجیب کالج تھا۔ صبح 7 بجے سے 9 بجے تک پریکٹیکل کلاس ہوا کرتی تھی اور پھر گیارہ بجے سے شام کے 5 بجے تک تھیوری کلاس ہوتی تھی۔ گھر سے کالج کی دوری قریب دس کلومیٹر تھی۔ زیادہ تر طالب علم ہاسٹل میں رہا کرتے تھے۔ گھر سے چل کر کالج صبح 7 بجے پہنچنا مشکل تو تھا لیکن سائیکل کا سہارا تھا، پڑھائی کا شوق اور جذبہ تھا اس لیے سب ٹھیک ہورہا تھا۔

کالج کی پڑھائی کے ساتھ گھر کی صاف صفائی اور ناشتے کھانے کا انتظام بھی خود ہی کرنا پڑتا تھا۔ میں ہر طرح کی دال سبزی ترکاری پکانا سیکھ گیا تھا اور روٹی بھی بہت اچھی بنالیا کرتا تھا۔ کالج کا وقت صبح 7 سے 9 بجے تک میرے لیے بڑا سخت تھا۔ 10 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے صبح 7 بجے حاضر ہوجانا اور پھر وہاں سخت محنت کرنا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بغیر ناشتہ کیے ہی کالج کے لیے روانہ ہوجانا پڑتا تھا اور پھر کبھی کبھی کالج میں اتنی زور کی بھوک لگتی تھی کہ برداشت سے باہر ہوجایا کرتی تھی۔ کالج کے چاروں طرف کھیت ہی کھیت۔ ان کھیتوں کا مجھے بڑا سہارا تھا۔ جب بھوک زیادہ ستاتی تھی تو کبھی مکا کے کھیت میں گھس کر بھٹے کھالیے اور کبھی مونگ پھلی کے کھیت میں جاکر بغیر سکی تازہ اور نرم پھلیوں سے اپنا پیٹ بھرلیا لیکن یہ کام چوری چھپے ہی کرنا پڑتا تھا۔

1964 میں ڈگری مل گئی اور پھر سروس بھی۔ کالج میں ریسرچ کے ساتھ بچوں کو پڑھانا اور سمجھانا۔ پریکٹیکل میں مدد کرنا وغیرہ بھی شامل تھا۔ یہاں یہ سب کام کرتے ہوئے ایم ایس سی میں داخلہ مل گیا اور اول درجے میں اچھے نمبروں سے ایم ایس سی (کیمسٹری) کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔ اخبارات

میں UPSC کی ڈیمانڈ کے اشتہارات چھپتے رہتے ہیں۔ ایک اشتہار دیکھا جو میری ڈگری اور تجربے کے معقول تھا۔ دوستوں سے ذکر کیا تو انھوں نے کہا فوراً اپلائی کرو۔

آنے جانے کا خرچ UPSC ہی دیتا تھا۔ اس لیے اپلائی کردیا۔ انٹرویو دینے دہلی گئے۔ انٹرویو دیا اور واپس اندور آگئے۔ کچھ ماہ بعد معلوم ہوا کہ مجھے ریڈیو والے بلا رہے ہیں۔ کالج کے ڈین سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے آدمی کو ریلیز کیجیے۔ مطلب یہ کہ UPSC نے میرا انتخاب کرکے آل انڈیا ریڈیو کو اطلاع دے دی تھی اور اب یہ ریڈیو والوں کی ذمے داری تھی کہ مجھے کالج کی سروس سے ریڈیو کی سروس میں لے آئیں۔ مجھے دو اسپیشل انکریمنٹ بھی دیے گئے۔ اس طرح میں یونیورسٹی کی سروس سے سبکدوش ہوکر آل انڈیا ریڈیو کی سروس میں بطور فارم آفیسر ریڈیو 1975 میں داخل ہوگیا۔

1975 سے قریب دس سال تک کالج میں یونیورسٹی کی ملازمت کی۔ ان دس سالوں میں کورس کے علاوہ بھی لکھنے پڑھنے کا کام کرتا رہا، کالج سے ریڈیو اسٹیشن زیادہ دور نہیں تھا۔ ریڈیو والے اکثر بلالیا کرتے تھے۔ کبھی تقریر کے لیے اور کبھی کسی مشاعرے میں شرکت کے لیے۔ یہ سارے کام میں آل انڈیا ریڈیو کے لیے کرتا رہا۔ ریڈیو کا ایک ہفتہ وار 'شام غزل' بڑا مقبول پروگرام تھا، کافی لمبے عرصے تک یہ پروگرام نشر ہوتا رہا۔ UPSC کے چناؤ میں میری تعلیمی ڈگری کے علاوہ ریڈیو کے اس تجربے نے بھی اہم رول ادا کیا ہوگا۔ پہلی پوسٹنگ آکاش وانی کے کیندر 'گوالیار' میں ہوئی۔ قریب 3 سال بعد تبادلہ ریڈیو اندور ہوگیا۔ 7-6 سال اندور ریڈیو میں کام کرنے کے بعد ریڈیو 'دہلی' تبادلہ ہوگیا۔ یہاں کام کرتے ہوئے دہلی، ہریانہ، پنجاب اور یوپی کے کچھ اضلاع تک آنا جانا لگا رہتا تھا۔ وہاں کے لوگوں سے ملنا انھیں ریڈیو پر پروگرام کے لیے مدعو کرنا وغیرہ یہ سارے کام کرنے پڑتے تھے۔

قریب دس سال ریڈیو دہلی میں گزارنے کے بعد پھر تبادلہ ریڈیو اندور میں تبادلہ ہوا اور قریب 2 سال کے بعد یہاں سے جلگاؤں ریڈیو جو مہاراشٹر اسٹیٹ کا بڑا اور اچھا ریڈیو اسٹیشن ہے وہاں ہوگیا۔ قریب تین سال یہاں کام کرنے کے بعد ایک بار پھر ریڈیو اندور میں میرا تقرر بطور اسٹیشن ڈائریکٹر ہوا۔ یہاں سے 2002 میں سبکدوش ہوا۔

ریڈیو دہلی میں اپنی خدمات انجام دیتے ہوئے کئی اہم باتیں میرے کیریئر میں جڑیں۔ جیسے یہیں سے میں نے ماس کمیونیکیشن کا سرکاری ڈپلومہ حاصل کیا جو ریٹائرمنٹ کے بعد

سائنس اور ٹیکنالوجی کے مضامین موجودہ دور میں بچوں کے لیے بہت ضروری ہیں۔ مثلاً گھر میں بجلی کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اس لیے بچے کو اس کا مناسب استعمال۔ اس کے فائدے خطرے اور ان خطروں سے کیسے بچا جائے یہ باتیں معلوم ہونا چاہئیں۔ اسکوٹر اور کار کی اہمیت سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ لائسنس کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے؟ بغیر لائسنس کے گاڑی چلانا جرم کیوں ہے؟ جرم کرنے پر سزا کس کس کو ہوسکتی ہے؟ سڑک پر ٹریفک کے کیا قاعدے قانون ہیں؟ موبائل کا استعمال کب اور کتنا؟ ٹی وی اور انٹرنیٹ کے نفع نقصان نہ صرف بچوں کو بتانا اور سمجھانا چاہیے بلکہ بچوں پر نظر بھی رکھنا چاہیے۔

بھی مجھے یونیورسٹی میں بطور مہمان پروفیسر بننے میں مددگار ثابت ہوا۔

یہیں کام کرتے ہوئے مجھے کئی نیشنل اور انٹرنیشنل سمینار میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ کام کے دوران ہی میں نے FAO فوڈ اینڈ ایگریکلچر ایسوسی ایشن آف ورلڈ کے تین ایوارڈ حاصل کیے اور سری لنکا جانے کے مواقع بھی نصیب ہوئے۔ اب اپنی تخلیقات کے بارے میں کچھ بتانا بہتر ہوگا۔ تقریباً 12 کتابیں اردو اور ہندی میں اب تک شائع ہو چکی ہیں۔ تین کتابیں بچوں سے متعلق ہیں: تتلیاں آس پاس، تتلی تارے پھول اور کلی کلی بے کلی۔

س: آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: ریڈیو کی ملازمت میں مختلف پروگراموں کا منصوبہ بنانا اور پھر اسے عملی جامہ پہنانا سب کچھ کرنا ہوتا تھا۔ نہ صرف شہری بچے بلکہ دیہاتوں کے بچوں پر بھی پروگرام ریکارڈ کر کے اسٹوڈیو اور مائکروفون کے ذریعے دور دور تک پہنچانا ہوتا تھا۔ دیہات میں جا کر بچوں سے ملنا انھیں اپنے اسٹوڈیو تک لانا انھیں ریکارڈ کرنا، براڈکاسٹ کرنا یہ سارے کام برسوں تک کرتا رہا۔ اس دوران میرے اپنے بچے بھی ہو گئے اور بچوں کے بچے بھی۔ میرے اپنے بچے مجھ سے اپنے اسکول کی ضرورت پوری کرنے کے لیے نظمیں لکھوانے لگے۔ 15 اگست، 26 جنوری کے علاوہ ہولی، دیوالی، عید، بیساکھی، کرسمس وغیرہ تہواروں کے لیے بھی لکھنا پڑتا تھا۔ بڑوں کا ادب، اچھی صحت کی اہمیت، صاف صفائی کی اہمیت، ماں باپ کی عزت، جانوروں سے محبت وغیرہ ایسے کئی مضامین جو بچوں کو اسکول کی طرف سے ملتے تھے اور وہ مجھ سے ضد کر کے لکھوا لیتے تھے۔ یہ سب کچھ کرتے کرتے مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں کب بچوں کا رائٹر بن گیا۔

س: آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج: گریجویٹ 1964 میں ہو گیا تھا اور سرکاری ملازمت بھی مل گئی تھی۔ لکھ تو میں مڈل اسکول سے رہا ہوں لیکن میں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ جب تک پڑھائی پوری کر کے ملازمت حاصل نہیں کر لوں گا تب تک شعر و شاعری سے دور رہوں گا۔ اب میں اپنا عہد پورا کر چکا تھا۔ اس لیے محفلوں میں شرکت اور رسائل اور اخبارات میں اشاعت شروع ہو چکی تھی۔ اندور، بھوپال کے کچھ اخبار اور رسائل مجھے چھاپنے لگے۔ شمع اور ششما میں بھی شائع ہونے لگا۔ 1970 کے آس پاس کا ذکر ہے شمع میں میری ایک غزل شائع ہوئی۔ غزل کا مطلع تھا۔

چندر مکھی سے مکھڑے پر جو بال یہ گیلے گیلے ہیں
جتنے کومل جتنے سندر اتنے ہی زہریلے ہیں

یہی غزل بعد میں ششما میں بھی شائع ہوئی۔ انہی دنوں حیدرآباد سے ایک رسالہ 'شگوفہ' شائع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ اپنے پڑھنے والوں کو مشورہ دیا کرتا تھا کہ اگر اچھی کہانی پڑھنا ہے تو فلاں رسالہ پڑھیے۔ اچھا ڈرامہ، اچھا انٹرویو، اور اچھا مضمون پڑھنا ہے تو فلاں فلاں رسالے پڑھیے۔ اسی رسالے نے اچھی غزل پڑھنے کے لیے اپنے پڑھنے والوں کو مشورہ دیا کہ اگر آپ کو اچھی غزل پڑھنا ہے تو عزیز انصاری کی غزل شمع اور ششما میں ضرور پڑھیے۔ مہینہ اور سن مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے۔

س: آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج: ہر وہ بات جو دل و دماغ میں ہلچل پیدا کر دے، بار بار اسی کا خیال آئے وہ چاہے اچھی ہو یا بری، وہ بات کسی شعر یا نظم کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ میں اکثر دوستوں سے کہتا ہوں کہ مجھے اپنے زیادہ تر اشعار میں پوشیدہ واقعات یاد ہیں۔ مثال کے طور پر دہلی ریڈیو سے میرا تبادلہ ریڈیو اندور ہو گیا۔ میں خوش تھا کہ مجھے میرا

اپنا شہر ریٹائرمنٹ سے پہلے مل گیا۔ لیکن مشکل سے دو سال کا عرصہ گزرا تھا کہ یہاں سے تبادلہ ریڈیو جلگاؤں ہوگیا۔ ریڈیو جلگاؤں کی زبان مراٹھی ہے۔ میں پریشان ہوگیا۔ دہلی گیا اعلیٰ افسران کو سمجھانے کی کوشش لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ مجھے جانا پڑا۔ اب سنیے۔

حکم ہوا ہے کانچ کا برتن سر پر رکھ کر ناچ عزیز
برتن میں تیزاب بھرا ہو یہ بھی تو ہوسکتا ہے

س: کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی معاملات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

ج: ریسرچ کرنا بہت اچھی بات ہے کرنا چاہیے، لیکن رائٹر کا تجربہ بھی کسی ریسرچ سے کم نہیں ہوتا۔ جو دیکھتا ہے محسوس کرتا ہے اور پھر اس پر غور کر کے سچائی عوام کے سامنے رکھتا ہے یہ بھی ایک طرح کی ریسرچ ہی ہے۔

س: بچوں کے لیے لکھتے وقت آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

ج: ملازمت ایسی تھی کہ پورے ملک میں مختلف مقامات پر جانا پڑتا تھا۔ لوگوں سے ملنا ہوتا تھا۔ ان کے دکھ سکھ سے واسطہ پڑتا تھا۔ نئی نئی باتیں سامنے آتی تھیں تو لکھنے کے لیے نئے نئے موضوع بھی مل جاتے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اب ایک ہی مقام پر رہنا ہے تو وہ ذہنی ہلچل ذرا کم ہوگئی ہے۔

س: ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقوں میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

ج: میں یہ سوچ کر نہیں لکھتا کہ لوگ میری قدر کریں گے، میں تو یہ سوچ کر لکھتا ہوں کہ "میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے" میں اپنے سے مایوس نہیں ہوں، اپنی ایک ثلاثی میں اس کا اظہار بھی کیا ہے۔

بات ہوتی ہے بانکپن کی ابھی
ہو نہ مایوس اپنی ہستی سے
قدر باقی ہے علم وفن کی ابھی

س: کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی کتابیں پڑھتے ہیں؟

ج: اگر بچوں کی زندگی سے متعلق کوئی اچھی کتاب مل جائے تو میں اسے بار بار پڑھوں لیکن افسوس بچوں پر سیاست تو مل جاتی ہے لیکن اچھی کتاب پڑھنے کو نہیں ملتی۔ بچوں پر لکھی گئی اہم بات اگر کہیں کسی رسالے میں مل جاتی ہے تو اسے ضرور پڑھتا ہوں۔ ان کی باتیں، ان کی شرارتیں اور ان کا بھولا پن مجھے بے حد پسند ہے۔

س: انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسائل بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟

ج: ہر زبان کے رسالے میں اچھی باتیں ہوتی ہیں۔ جو دوسروں کے لیے اچھا ہو کیا وہ ہماری زبان جاننے والوں کے لیے بھی اچھا ہوگا؟ میں اردو کے علاوہ انگریزی اور ہندی میں بھی بچوں کے لیے کچھ لکھا دیکھتا ہوں تو ضرور پڑھتا ہوں۔

س: کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

ج: جی ہاں ہمارے پاس اردو میں ایک ایسا رسالہ موجود ہے جو کسی بھی زبان کے اچھے رسالے سے بہتر ہے ہر اعتبار سے اور اس رسالے کا نام ہے 'بچوں کی دنیا'

س: بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں ان کے مواد اور زبان وبیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: مجھے افسوس ہے کہ بچوں کے رسائل میں ان باتوں کا دھیان بہت کم رکھا جاتا ہے، نظمیں اور دیگر مواد جو اس میں شریک کیے جاتے ہیں دور دور تک بچوں سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ گیتوں کا اور نظموں کا معیار بھی بچوں کی ذہنی اور

فطری قابلیت اور معیار کے مطابق نہیں ہوتا۔ زبان و بیان پر عبور رکھنے والے مصنف ویسے بھی ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کی کھوج ان کی تلاش اور پھر ان سے اپنی ضرورت کے حساب سے لکھوالینا ایڈیٹر کی بڑی ذمہ داری ہے۔

س: معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

ج: رسائل کے مدیر اور دیگر ذمے داران کی ذمے داریاں اس لیے اور زیادہ ہوگئی ہیں کہ اب والدین بچوں کو اعلیٰ افسر، ڈاکٹر، انجینئر تو بنانا چاہتے ہیں لیکن اچھا انسان بنانے کی طرف ان کی توجہ کم ہوگئی ہے۔ رسائل کو تو ہر بات کا خیال رکھنا ہے۔ بچے کی اپنے سبجیکٹ اور اسکول میں بھی اچھی حیثیت ہو اور گھر اور معاشرے میں بھی وہ ایک اچھا اور بااخلاق طالب علم اور شہری ثابت ہو۔ صرف ایک مشین بن کر نہ رہ جائے۔

س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

ج: سائنس اور ٹیکنالوجی کے مضامین موجودہ دور میں بچوں کے لیے بہت ضروری ہیں۔ مثلاً گھر میں بجلی کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اس لیے بچے کو اس کا مناسب استعمال۔ اس کے فائدے خطرے اور ان خطروں سے کیسے بچا جائے یہ باتیں معلوم ہونا چاہئیں۔ اسکوٹر اور کار کی اہمیت سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ لائسنس کی ضرورت اور اہمیت کیا ہے؟ بغیر لائسنس کے گاڑی چلانا جرم کیوں ہے؟ جرم کرنے پر سزا کس کس کو ہوسکتی ہے؟ سڑک پر ٹریفک کے کیا قاعدے قانون ہیں؟ موبائل کا استعمال کب اور کتنا؟ ٹی وی اور انٹرنیٹ کے نفع نقصان نہ صرف بچوں کو بتانا اور سمجھانا چاہیے بلکہ بچوں پر نظر بھی رکھنا چاہیے۔

س: بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے؟

ج: بچوں کی اچھی صحت کے لیے کھیلنا اور پڑھنا دونوں ضروری ہیں۔ کھیل کھیلیں تو موبائل اور کمپیوٹر والا نہیں بلکہ دوستوں کے ساتھ میدان میں کھیلا جانے والا کھیل زیادہ صحیح اور مفید ہے۔

بزرگوں کا ادب، والدین کی عزت، چھوٹوں سے پیار اور ان کی مدد، حب الوطنی اور دیش بھکتی کا جذبہ، بھید بھاؤ اور اونچ نیچ سے نفرت، حق و انصاف کی طرفداری یہ سب ایسے مضامین اور کام ہیں، جن سے بچے صرف مشین نہیں بلکہ اچھے انسان بھی بن سکیں گے۔

اس رسالے کے لیے ہم سب کی کوشش ہونی چاہیے کہ ہر اردو داں کے گھر تک یہ رسالہ ضرور پہنچے۔

س: ماہنامہ بچوں کی دنیا میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

ج: اس رسالے میں سب کچھ ہے اس لیے میں نے لکھا ہے کہ کسی بھی دوسری زبان کے رسالوں سے ہمارا یہ رسالہ بہتر ہے۔ میں اس رسالے کے مواد کے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ "جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے"

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

س: بچوں کے لیے کوئی پیغام؟

ج: میں بچوں کو یہی پیغام دینا چاہتا ہوں کہ وقت کو ضائع نہ کریں، وقت کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کا صحیح استعمال کریں۔

وقت کو جو سنبھال رکھے گا
وقت ہے آدمی کا سرمایہ
وقت اس کا خیال رکھے گا

■

Azeez Ansari
1/13, Usha Ganj
Khan Bahadur Compound
Indore - 452001 (MP)
Mob.: 9329333156

نظم

ریل

ذکی طارق

تنکا دھول اڑاتی ریل
آئی شور مچاتی ریل

(1)

دور دور کی سیر کراتی
سب کو منزل تک پہنچاتی
لہراتی بل کھاتی ریل
آئی شور مچاتی ریل

(2)

آگے پیچھے ریل کے ڈبے
خوش ہوتے ہیں دیکھ کے بچے
ان کے دل کو بھاتی ریل
آئی شور مچاتی ریل

(3)

بچو مل کر رہنا سیکھو
مل کر ساتھ میں چلنا سیکھو
سب کو یہ سمجھاتی ریل
آئی شور مچاتی ریل

(4)

چلتی سب کو ساتھ میں لے کر
چاہے لیبر ہو یا افسر
کام سبھی کے آتی ریل
آئی شور مچاتی ریل

(5)

کچھ بیٹھے کچھ لوگ کھڑے ہیں
چھت پر بھی کچھ لوگ چڑھے ہیں
سب کا بوجھ اٹھاتی ریل
آئی شور مچاتی ریل

■

Dr. Zaki Tariq
564, Kela Road
Gau Shala Phatak
Ghaziabad- 201009 (UP)
Mob.: 9818860029

بارش رحمت ہے یا زحمت

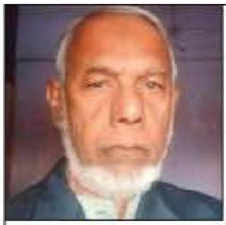

محمد رفیع انصاری

بادل جب گھر کر آتے ہیں
میرے ابو ڈر جاتے ہیں
وہ کہتے ہیں دیکھو بیٹے!
بارش رحمت تو ہے بے شک
کچھ مجھ کو انکار نہیں ہے
چھت بھی میں بنوا لوں گا اور
چھاتا بھی لے آؤں گا میں
لیکن یہ گلیوں سڑکوں پر
جو پانی بھر جاتا ہے
تڑپا جاتا ہے یہ مجھ کو
اس کا کچھ حل بھی تو ہوگا؟
میں نے جب پوچھا
تو بولے
'آؤ! ہم سب پہلے راہ پہ آئیں
مطلب یہ کہ
پانی کے بہنے کی کوئی راہ نکالیں
گر ایسا ہو جائے تو پھر
بارش رحمت ہی رحمت ہے'

(تعارف اپریل 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Mohd Rafee Abdul Khaliq Ansari Almadni
734, Bhusar Mohalla, Bhiwandi- 421302
Distt.: Thane (Maharashtra)

نورِ سحر

عبدالرزاق دل کھولاپوری

سحر میں جاگنا ہو ہم کو میسر یارب
ہماری سب کی ہی صحت رہے بہتر یارب

پرند شاخوں پہ جاگے ہیں چہچہاتے ہوئے
حسیں لگے یہ ثناخوانی کا منظر یارب

وہ موتیوں سی چمکتی ہوئی شبنم کی قطار
یہ آبگینے ہیں تسکین کا مظہر یارب

طلوع ہوا نہیں مشرق سے آفتاب مگر
سماں یہ نورِ سحر سے ہے منور یارب

ستارے ماند پڑے جاتے ہیں لیکن پھر بھی
تمام سمت فلک لگتا ہے سندر یارب

نمازِ فجر ادا کرتے ہی ہم سیر کریں
سکوں سے ہم کو عمل یہ رکھے دن بھر یارب

اگر رسول نہ ہوتے، ثبوتِ حق کے لیے
ہمارے واسطے تھی صبح پیمبر یارب

(تعارف دسمبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Abdur Razzaq Kholapuri
Dil Bharti House,Kholapur
Bhatkali,
Amravati-444802, (Maharashtra)

فراق جلال پوری

ہوا اور بادل

گرمی کا تپتا موسم تھا — ایک قیامت کا عالم تھا!!
سورج تھا اک آگ کا گولا — اُگل رہا تھا منھ سے شعلہ
دھوپ کڑی تھی حدِّ نظر تک — ہانپ رہے تھے برگ و شجر تک
سوکھے سوکھے کھیت اور جنگل — جانے کہاں غائب تھے بادل!
چاروں طرف بپتا یہ کڑی تھی — ہر لب پر فریاد پڑی تھی!
بولی پیاسی دھرتی رانی — مولا دے دے، پانی پانی
ہوا کا تب اک جھونکا آیا — بادل کا اک ٹکڑا لایا
دونوں نے پھر دھوم مچائی — جھوم کے لی دل نے انگڑائی
میداں کھیت، پہاڑ اور جنگل — ساری دھرتی ہوگئی جل تھل
باغ میں پنچھی ناچ اٹھے سب — خوشی سے سب نے کھول دیے لب
ہر دل سے آواز یہ آئی — بارش آئی، راحت لائی
کھیل یہ تھا بادل کا، ہوا کا — سب نے منایا شکر خدا کا
بچو! آؤ اِس موسم میں — مستی کے گاتے عالم میں!
کاغذ کی ہم ناؤ بنائیں — اور بارش کا مزہ اٹھائیں

■

Firaq Jalalpuri
Mohalla: Qazipura
Post: Jalalpur
Distt.: Ambedkar Nagar- 224149 (UP)
Mob.: 9758772746

ارشاد احمد ارشاد

پانی بنا بادل

عجب شے ہے رب نے یہ دنیا بنائی
قرینے سے ہر شے ہے اس میں سجائی

عمل اپنا کرتی جو ہر شے یہاں ہے
اسی سے تو چلتا یہ سارا جہاں ہے

نظامِ جہاں میں ہر اک شے یہاں ہے
بھلا ان میں کوئی بھی سرکش کہاں ہے

عمل میں تمھیں بھی کچھ ایسے بتاؤں
بنے بھاپ بادل یہ کیسے سکھاؤں

عمل اس کو کہتے ہیں تبخیر کا ہے
بنے بھاپ پانی سے تدبیر کا ہے

نکلتا جو سردی میں منہ سے دھواں ہے
یہ بادل کی اک قسم ہوتی یہاں ہے

بخارات بن کر جو پانی ہے اڑتا
یہ پانی جو اڑ کر کے ہے بھاپ بنتا

یہ مائع سے پانی جو ہے گیس بنتا
اسی کی وجہ سے نہیں ہم کو دکھتا

اسی کو تو ایوو پریشن ہیں کہتے
عمل ہے یہ تبخیر کا تم بھی سمجھو

بلندی پہ جاکر یہی گیس آخر
بدل جاتی ہے بادل اور دھند میں پھر

بخارات ہی تو ہیں بادل یوں بنتے
ہیں تکثیف کا بس عمل اس کو کہتے

وہ کنڈن سے شن بھی اسی کو ہیں کہتے
اسی اک عمل سے تو بادل ہیں بنتے

■

Irshad Ahmad Irshad
Makan No: 1206, Gali No.: 34/4
Jafrabad
Delhi- 110053
Mob.: 7011543560

گڑیا رانی

شمیم انجم وارثی

بھیا تم بازار جو جانا
اصلی گھی کے لڈو لانا

کل ہے مری گڑیا کی شادی
جشن طرب خانہ آبادی

آنگن میں پنڈال بنے گا
پھولوں سے گھر بار سجے گا

جھومے گی گھر کی انگنائی
گونجے گی ہر سو شہنائی

سو میں سو ہوں گے باراتی
گھوڑا، چیتا، بھالو، ہاتھی

گڈے راجا دولہا بن کر
دروازے آئیں گے چل کر

پھر گڑیا کی مانگ بھریں گے
رسم ادا شادی کی کریں گے

گڑیا تم سسرال جو جانا
پیار سے سب کا دل بہلانا

ساس، سسر کی خدمت کرنا
اور شوہر کی عزت کرنا

چھوٹوں پر بھی شفقت رکھنا
گھر کو بنا کر جنت رکھنا

■

Shamim Anjum Warsi
237/2, Arbinda Palli
Garolia
Shimali 24 Pargana (WB)
Mob.: 933968079

رخشاں ہاشمی

پانی کی کہانی

بچو! یہ جو پانی ہے
پانی سے زندگانی ہے

پانی کا کوئی رنگ نہیں
پانی نہیں تو ترنگ نہیں

پانی سے ہی جیون ہے
پانی سے ہی گلشن ہے

گاؤں میں بھرتی تھی نانی
کنویں سے تازہ پانی

پانی سے ہی مستی ہے
صحت و تندرستی ہے

شہر میں بوتل کا پانی
وقت کی ہے یہ مہربانی

پانی ہے تو دُنیا ہے
بن پانی سب سُونا ہے

پانی مت برباد کرو
سب سے یہ فریاد کرو

پانی سے خوشحالی ہے
پیڑ ہرے، ہریالی ہے

پانی کی یہ کہانی ہے
بچو! پانی پانی ہے

پانی سب کی ضرورت ہے
پانی ایسی دولت ہے

■

Rakhshan Hashmi Muskan
Shah zubair Road, Munger-811201(Bihar)
Mob.: 9304342562

نظم

تربوز

اشتیاق احمد راشد

تربوزہ جی بھر کے کھاؤ
گرمی سے تم راحت پاؤ
گرمی کا یہ تو دشمن ہے
کتنا چکنا اس کا تن ہے
اندر اس کے سرخی رنگ ہے
بھورا دانہ اس کے سنگ ہے
غربا کی یہ بھوک مٹائے
لوگوں کی یہ پیاس بجھائے
کتنا پانی اس کے اندر
جیسے کوزے میں ہو سمندر
دیکھو تو باہر سے ہرا ہے
پر خونی شربت سے بھرا ہے
ہوتا ہے یہ کتنا بھاری
اس سے بھاگے ہر بیماری
کھاتی شوق سے دادی، نانی
کھانے میں ہے اس کو آسانی
بچے، بوڑھے، سب کا پیارا
للچائے جی یہ خوب ہمارا

(تعارف جون 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Ishtiaque Ahmed
3, P. M Bustee 2nd Bye Lane
Shibpur, Howrah-2
Haowrah- 711102 (West Bengal)
Mob.: 8240162221

ڈراما

آج کا کنبھ کرن

سید اسد تابش

کردار:

(1) پروفیسر صاحب — کامران علی
(2) بیگم صاحبہ: کامران علی کی بیوی
(3) کاشف علی — پروفیسر صاحب کا بیٹا
(4) ملازم
(5) ڈاکٹر صاحب
(6) فقیر بابا
(7) ایک شاعر: تیر نشتری کمان پوری
(8) ایک ڈانسر

پہلا منظر

(بیڈ روم میں کاشف پاؤں پسارے ہوا ہے۔ دن کے گیارہ بج رہے ہیں۔ بیگم صاحبہ، کاشف کی امی روم میں داخل ہوتی ہیں اور کاشف کو جگانے کی کوشش کرتی ہیں)

بیگم صاحبہ: اے میاں، اٹھو۔ دیکھو دن کے گیارہ بج رہے ہیں ہم اتنی دیر تک سونے کے قائل نہیں ہیں۔ تم ہاسٹل سے اپنی عادتیں بگاڑ آئے ہو۔ چلو اٹھو۔

(اسی شور میں کامران صاحب بھی بیڈ روم میں چلے آتے ہیں)

کامران صاحب: (بیگم سے) کیوں شور مچا رہی ہو؟

بیگم صاحبہ: میں شور مچا رہی ہوں؟

کامران صاحب: اور نہیں تو کیا، کسی دوسرے کی تو آواز نہیں آتی۔

بیگم صاحبہ: آپ کو میری آواز تو سنائی دیتی ہے مگر دوسرا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ یہ پروفیسر زادے، گیارہ بجے تک سو رہے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں سب آپ کے لاڈ پیار نے بگاڑ رکھا ہے۔

کامران صاحب: ارے ہاں... (بات کو ٹالنے کے لیے 'مارون' کو آواز دیتے ہیں) مارون... اے مارون

کے بچے... جلدی ادھر آ۔ (ملازم مارون کرتا پاجامہ پہنے، کاندھے پر رومال رکھے اسٹیج پر آتا ہے)

ملازم: جی مالک! فرمایئے۔

کامران صاحب: ہاں! یہ ناگپور میں بی ای کر رہا ہے۔ وہیں ہاسٹل میں رہتا ہے۔

بیگم صاحبہ: (درمیان میں بول پڑتی ہیں) آپ اسے نیند سے جگانے کا کہہ رہے ہیں یا اس کا رشتہ لگا رہے ہیں؟

کامران صاحب: نہیں نہیں، میرا مطلب ہے وہیں سے عادتیں بگاڑ آیا ہے۔ مارون ڈاکٹر چل من صاحب کو بلالا۔

(مارون جاتا ہے۔ پروفیسر صاحب اور بیگم صاحبہ فکر میں ادھر ادھر ٹہلتے ہیں)

(کال بیل بجتی ہے، مارون، ڈاکٹر صاحب کو لے آتا ہے اور ڈاکٹر اپنے لباس اور بیگ سے بہت پرانے قسم کے آدمی لگ رہے ہیں۔

کامران صاحب: (ڈاکٹر صاحب سے) دیکھیے ڈاکٹر صاحب! یہ ابھی سویا ہوا ہے، للہ اسے جگانے کے لیے کوئی دوا دیجیے۔

ڈاکٹر صاحب: اسے تو سلائن لگانی ہوگی۔

بیگم صاحبہ: آپ نے اسے چیک بھی نہیں کیا اور سلائن لگانے کا کہہ رہے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب: میڈم، نیند کی گولیاں ہوتی ہیں... وہ آدمی کھاتا ہے... کیونکہ وہ جگا ہوتا ہے اور یہ صاحب زادے سوئے ہوئے ہیں۔ انھیں جگانا ہے تو سلائن ہی لگانی ہوں گی۔ آخر ہمارا تجربہ بھی کوئی چیز ہے۔

کامران صاحب: (درمیان میں بول پڑتے ہیں) نہیں نہیں ڈاکٹر صاحب آپ کا تجربہ اپنی جگہ اور آج کل کے معاملات اپنی جگہ۔ دیکھیے آج کل بارگیننگ ہر جگہ ہوتی ہے۔ آپ اسے انجکشن لگا دیجیے۔

ڈاکٹر صاحب: ہاں...! ٹھیک ہے مگر انجکشن دو لگانے ہوں گے۔

کامران صاحب: آں...؟ دو انجکشن...! (حیرت سے)... کتنے میں لگ جائیں گے...

ڈاکٹر صاحب: 100 روپے میں لگیں گے۔

کامران صاحب: نہیں نہیں ڈاکٹر صاحب! صحیح بتایئے اور ویسے بھی آج کل ایک پر ایک فری کا زمانہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب: جی ہاں! میں نے ایک ہی انجکشن کی قیمت بتائی ہے۔

کامران صاحب: چلیے چھوڑیے 80 روپے میں سودا پکا کیجیے، مگر ہمارے بیٹے کو فائدہ ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر صاحب: ڈاکٹر تو علاج کرتے ہیں پروفیسر صاحب! شفا تو اوپر والا ہی دیتا ہے۔

کامران صاحب: بیشک بیشک! چلیے اب انجکشن لگا دیجیے۔

(ڈاکٹر صاحب کاشف کو انجکشن لگاتے ہیں۔ کامران صاحب فیس ادا کرتے ہیں، بیگم صاحبہ فکرمندی سے ادھر ادھر گھومتی ہیں۔ نوکر مارون ڈاکٹر صاحب کا بیگ اٹھاتا ہے اور دونوں جانے لگتے ہیں)

مارون: (ڈاکٹر صاحب سے چلتے ہوئے بھولے پن سے پوچھتا ہے)

ڈاکٹر! کنجوسی دور کرنے کا کوئی انجکشن ہوتا ہے کیا...؟

ڈاکٹر: کیوں...؟

مارون: نہیں میں لگانے کا سوچ رہا ہوں۔

(انھیں باتوں میں دونوں اسٹیج سے چلے جاتے ہیں اور بیگم صاحبہ کاشف کو ہلا ہلا کر دیکھتی ہیں، کاشف بدستور سویا ہوا ہے)

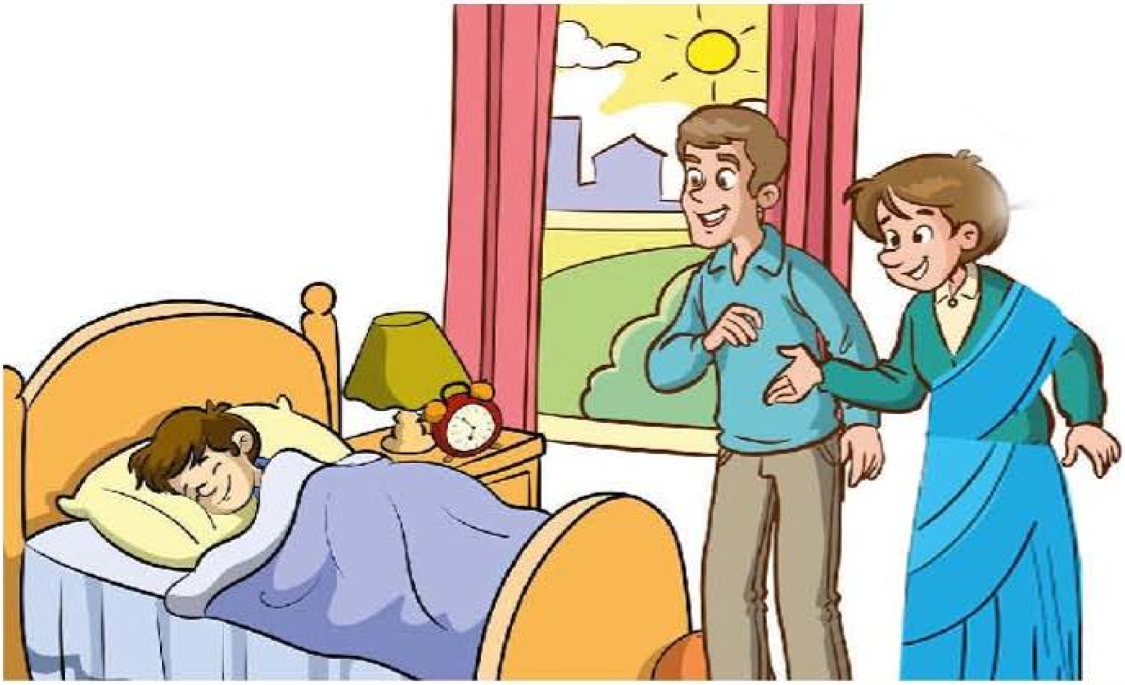

بیگم صاحبہ: آپ ان ڈاکٹروں کے چکر میں مت پڑیے میں تو کہتی ہوں میرے بیٹے کو کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ آپ وہ بابا ہیں نا؟ انھیں بلا لائیے۔

کامران صاحب: کون؟ شہاب الدین بابا؟ ٹھیک ہے تم کہتی ہو تو یہ بھی کر کے دیکھتے ہیں۔ آنے دو مارون کو...

(تبھی مارون آتا ہے)

کامران صاحب: مارون...! سنو، جلدی بابا کو بلاؤ انھیں میرا سلام کہنا...

(مارون الٹے پاؤں پلٹ جاتا ہے۔ بیگم صاحبہ کاشف کے سرہانے بابا کے لیے کرسی رکھتی ہیں۔ خود اپنا دوپٹہ صحیح سے لپٹتی ہیں اور اودبتی لگاتی ہیں۔ بابا آگے آگے اور مارون پیچھے پیچھے اسٹیج پر آتے ہیں۔

(بابا لمبا کرتا اور لنگی پہنے ہوئے ہیں۔ پیشانی سے لے کر سر کے پیچھے تک رومال باندھا ہوا ہے، ایک ہاتھ میں موٹے منکوں والی تسبیح ہے)

کامران صاحب: الحمدللہ بابا ویسے تو سب خیریت ہے آپ کی دعا ہے، مگر اس نالائق کو دیکھیے جب سے شہر سے آیا ہے دن کے بارہ بجے تک پاؤں پسارے پڑا رہتا ہے۔ (آپ کو اس کے لیے زحمت دی)

(تبھی بیگم صاحبہ گھبرائی ہوئی آواز میں کہتی ہیں)

بیگم صاحبہ: دیکھیے نا بابا، میں تو کہتی ہوں میرے بیٹے کو کسی نے کچھ کر دیا ہے۔

(بابا منہ پر انگلی رکھ کر دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہیں اور خود کاشف کے سرہانے بیٹھ کر اسے بغور دیکھتے ہیں، کچھ پڑھتے جاتے ہیں اور اس کی پیشانی پر ہلکے ہلکے دم کرتے جاتے ہیں)

بابا: (بیگم صاحبہ سے) فکر کی کوئی بات نہیں ہے بیٹی! تم بوتل میں پانی لے آؤ... میں پڑھ کر دے دیتا ہوں...

(مارون پانی کی بوتل لے آتا ہے، بابا اس پر کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکتے ہیں۔ پانی کی بوتل بیگم صاحبہ کے ہاتھوں میں دیتے ہیں اور خود جانے کے لیے اٹھتے ہیں)

(کرسی سے اٹھتے ہوئے) فکر مت کرو بیٹی! اللہ سب

ٹھیک کردے گا۔

(دھیمی آواز اور دھیمے لہجے میں) میں نے پانی پڑھ کر دے دیا ہے... آنکھوں پر لگاتی رہنا... فکر کی کوئی بات نہیں... جاگ جائے گا... یہ سویا ہوا ہے۔

یہ دنیا کے لاکھوں کروڑوں جاگے ہوئے لوگوں سے اچھا ہے۔ نہ کچھ برا دیکھ رہا ہے، نہ کچھ برا سن رہا ہے اور نہ ہی کچھ برا بول رہا ہے۔ یہ اچھا ہے، جاگ جائے گا، فکر مت کرو۔

(بابا یہ کہہ کر جانے لگتے ہیں۔ مارون انھیں بھی چھوڑنے کے لیے جاتا ہے۔ بابا کے ساتھ چلتے ہوئے ان سے کہتا ہے)

مارون: بابا آپ مجھے سونے کا پانی دیجیے، میرا مطلب ہے نیند کا پانی کیونکہ آپ نے جتنے فائدے سوئے رہنے کے بتائے ہیں انھیں سن کر مجھ جیسا آدمی جاگنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

بابا زیرلب مسکراتے ہیں اور اسٹیج سے چلے جاتے ہیں۔ مارون دروازے تک بابا کو چھوڑ آتا ہے۔ بیگم صاحبہ حسب معمول ٹہل رہی ہیں، کامران صاحب سامنے کھڑے موبائل پر کسی کا نمبر ڈھونڈ رہے ہیں۔

کامران صاحب: (دھیمی آواز میں مارون سے کہتے ہیں) میں سوچ رہا ہوں مارون...! کاشف کو جگانے کے لیے شاعر صاحب کو بلالوں۔

(موبائل پر ایک نمبر ڈھونڈ کر ڈائل کرتے ہیں)

مارون: کون؟... اچھا... اچھا... وہ ہماری کالونی میں رہتے ہیں۔

کامران صاحب: ہاں وہی... تیر کمان نشتر پوری۔

(ان باتوں کو بیگم صاحبہ سن لیتی ہیں اور پھر کر سامنے آتی ہیں)

بیگم صاحبہ: (کامران صاحب کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے) کیا...؟ وہ شاعر...؟ وہ کیا جگائیں گے۔ پہلے اپنی اولاد کی ہی خبر لے لیں تو اچھا ہے، خود ان کی اولاد ان سے بیزار ہے۔

کامران صاحب: (غصے سے مگر دھیمی آواز میں)
دیکھو، تم گھر کی باتوں پر دھیان دو۔ تیر کمان نشتر پوری ایسے شاعر ہیں جو سوئی ہوئی قوم کا ضمیر بیدار کررہے ہیں، اسے جھنجھوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کر رہے ہیں۔ تمھیں پتہ ہے جب مشاعرے پڑھتے ہیں تو ہنگامہ برپا کردیتے ہیں، چھتیں اڑنے لگتی ہیں۔ واہ واہ کا شور اٹھتا ہے، جو تھمنے کا نام نہیں لیتا۔

بیگم صاحبہ: (کسی قدر نرمی سے) ہاں مجھے گھر کی باتوں پر ہی دھیان دینا ہے اس لیے کہہ رہی ہوں گھر کو بازار مت بنائیے۔ وہ آپ کے شاعر صاحب ہزاروں روپے کے عوض ایک گھنٹہ یا آدھا گھنٹہ مشاعرہ پڑھتے ہیں تو ایک ہنگامہ برپا کردیتے ہیں، چھتیں اڑنے لگتی ہیں۔ واہ واہ کا شور اٹھتا ہے جو تھمنے کا نام نہیں لیتا۔

بیگم صاحبہ: لوگ اسکول کی فیس ادا کرتے ہوئے جھک جھک کرتے ہیں۔ معلم ٹیوشن پڑھائے تو سو دو سو روپے دینے میں بھاؤ تاؤ کرنے لگتے ہیں اور مشاعرے میں لاکھوں روپے خرچ کردیتے ہیں۔

کامران صاحب: اری بیگم یہ مشاعرے ہماری اردو زبان کی بقا کے لیے ضروری ہیں۔

بیگم صاحبہ: ہاں! ہاں، جانتی ہوں ان مشاعروں میں کئی تو اسکولوں کے مدرس ہی ہوتے ہیں۔ وہاں بچوں کی الف ب صحیح نہیں کرتے، ان کا املا اور تلفظ درست نہیں کرتے جس بات کی تنخواہ لیتے ہیں اس کو

ایمانداری سے نہیں نبھاتے اور مشاعروں میں اردو کی خدمت کا دم بھرتے ہیں۔

(مارون اس بڑھتی ہوئی بحث کو روکنے کے لیے آگے آتا ہے)

مارون: دیکھیے اس طرح کوئی حل نہیں نکلنے والا۔ اگر آپ کہیں تو میں کچھ کرتا ہوں۔

(کامران صاحب تھکے ہوئے کھڑے ہیں اور مارون کاشف کے سرہانے جا کر کوئی گیت گاتا ہے، گیت گاتے ہوئے ہلا ہلا کے جگانے کی کوشش کرتا ہے)

مارون: اٹھ میرے بھائی

اٹھ میرے بھائی

تیرے ہاتھ جوڑتا ہوں

ہاتھ جوڑتا ہوں تیرے

پاؤں پڑتا ہوں

اٹھ میرے بھائی

(کاشف بدستور سویا ہوا ہے۔ مارون دوسری کوشش کرتا ہے)

سوئے نامور بے شمار کیسے کیسے

نیندیں کھا گئیں، نواب کیسے کیسے

آج سویا ہے نیند میں جو

ایک دن پچھتائے گا وہ

سب کچھ گنواں کر نیند سے پھر وہ اٹھ جائے گا اٹھ جائے گا

پچھتائے گا... پچھتائے گا

(بیگم صاحبہ قہر آلود چہرے سے مارون کی طرف بڑھتی ہیں، مارون تھوڑا سہم جاتا ہے)

بیگم صاحبہ: کیا لگا رکھا ہے...؟ بند کرو یہ بازاروپن۔

مارون: میں جانتا ہوں آج کل کے بچے کس طرح جاگتے ہیں۔ مالکن...! میں نے اپنا بچپن بازاروں میں گزارا ہے۔ بازاروں میں کوئی اتنی دیر تک نہیں سوتا۔ اب آپ دیکھیے میرا آخری حربہ۔

(مارون آڈیو سسٹم کے پاس جاتا ہے اور زوردار آواز میں ایک پاپ میوزک شروع کرتا ہے۔ منظر پر ایک ڈانسر مائیکل جیکسن کے گیٹ اَپ میں آتا ہے۔ کاشف پہلے اپنا دایاں پاؤں بستر سے نکالتا ہے پھر بایاں پاؤں نکالتا ہے اس کے بعد ایک جھٹکے سے دونوں ہاتھ سیدھے کرتا ہے اور تھرکتے ہوئے نیند سے اٹھنے لگتا ہے۔

منظر پر دونوں نوجوان اور مارون زوردار ناچ پیش کرتے ہیں... کامران صاحب اور بیگم صاحبہ ایک طرف کھڑے ہیں)

(موسیقی رک جاتی ہے۔ بیگم صاحبہ کے پیچھے سارے کردار کھڑے ہیں)

بیگم صاحبہ: میں آج بہت شرمندگی محسوس کر رہی ہوں، کیا ہوگا ہمارے کلچر، ہماری تہذیب کا، آج کل کے بچے اذانوں کی آواز سے نہیں جاگتے بلکہ گیتوں اور موسیقی سے جاگتے ہیں۔ کیا ہوگا ہماری تہذیب ہمارے معاشرے کا!

(پردہ گرتا ہے)

(تعارف ستمبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Syed Asad Tabish
Karamat Khan Colony, Barsi Takli
Distt.: Akola - 444401(Maharashtra)
Mob : 8421427654

اِکّو کی کہانی

ذکیہ مشہدی

اذلان اسی سال ساتویں کلاس میں آیا تھا۔ نئی نئی کتابیں ملی تھیں۔ خوب صورت اور چمک دار۔ اس نے ایک کتاب میں سے کچھ پڑھنا شروع کیا۔ پھر بڑے جوش میں دادی کے پاس پہنچا۔ دادی، دادی ہم نے جاپان کے بارے میں پڑھا۔ یہ دیکھیے جاپان کا نقشہ۔ ہوں۔ دادی نے کتاب میں شوق سے نقشہ دیکھا۔ دادی کا کہنا تھا کہ بچوں کی باتوں پر توجہ دینی چاہیے۔ پھر انھوں نے اذلان کو پاس بٹھالیا۔ تمھیں جاپان کی ایک کہانی سنائیں۔

اذلان کی آنکھیں چمک گئیں۔ جی دادی، ضرور۔

"ہر ملک کی اپنی کہانیاں ہوا کرتی ہیں۔ جب تم چھوٹے تھے تو تمھیں کوے اور چڑیا کی کہانی سنائی تھی۔ "یاد ہے دادی۔" اذلان ہنسنے لگا۔ یہ کہانی ہندوستان کی تھی۔ ہمارے ملک کی۔ ایسے ہی جاپان کی کہانیاں ہیں۔ ایک کہانی 'اِکّو' کی ہے۔"

"اِکّو کون؟ کوئی چڑیا؟" اذلان بے صبری سے بولا۔

نہیں بھائی۔ اِکّو ایک لڑکا تھا۔ چھوٹا لڑکا۔ اب چپ چاپ سنو۔

جاپان کے زیادہ تر لوگ بدھ مذہب کو مانتے ہیں۔ اِکّو دوسرے لڑکوں کے ساتھ بدھ مذہب کی تعلیم لے رہا تھا۔ وہ گروجی کے یہاں رہ کر پڑھتا تھا۔

"جیسے ہمارے اسکول میں کچھ لڑکے ہاسٹل میں رہ کر پڑھتے ہیں۔" اذلان نے کہا۔

دادی اس کی سُوجھ بُوجھ سے بہت خوش ہوئیں۔ بالکل ٹھیک سمجھے۔

ایک دن اِکّو رات کو گروجی کے کمرے کی طرف سے گزرا۔ اس نے دیکھا کہ گروجی چاٹ چاٹ کر کچھ کھا رہے ہیں۔ ان کے سامنے ایک چھوٹا سا کالے رنگ کا گھڑا رکھا ہوا تھا۔ وہ اس گھڑے میں سے کچھ نکال نکال کر چاٹ رہے تھے۔ تم گھڑا جانتے ہو اذلان؟

"جی دادی۔ ایک بار ہم نے مٹی کی صراحی خریدی تھی۔ وہیں گھڑے بھی تھے۔ چھوٹے بڑے۔ سب طرح کے۔ ان میں پانی ٹھنڈا رہتا ہے۔"

شاباش۔ تو گروجی کے سامنے بالکل چھوٹا گھڑا تھا۔ اِکّو نے جا کر اور بچوں کو یہ بات بتائی۔ ضرور شہد ہوگا۔ گروجی شہد کھا رہے تھے۔ اِکّو نے کہا۔ ایک بچہ بولا۔ شہد تو بچوں کو بھی ملنا چاہیے۔ یہاں جو کچھ آتا ہے اس میں سب کا حصہ ہوتا ہے۔ سب بچے گروجی کے کمرے میں گھُس گئے۔

اِکّو نے کہا "گروجی آپ کہتے ہیں کہ اچھی چیز سب کو مل بانٹ کر کھانی چاہیے۔ پھر آپ یہ شہد اکیلے کیوں کھا رہے ہیں؟"

گروجی گھبرا گئے۔ "بولے یہ شہد نہیں، دوا ہے۔ کسی

بچے نے اسے کھایا تو مرجائے گا۔" بچے واپس ہوگئے۔ رات کافی ہوگئی تھی۔ جاکر سوگئے۔

دوسرے دن صبح گروجی کہیں کام سے چلے گئے۔ اِٹّو نے جاکر گھڑا کھول کر سونگھا۔ اُنگلی پر لے کر دیکھا۔ وہ شہد ہی تھا۔ اس نے بچوں کو بلا کر کہا، دیکھو یہ شہد ہی ہے، دوا نہیں ہے۔ اس نے چکھ کر دکھایا۔ پھر تو سبھی بچوں نے تھوڑا تھوڑا شہد کھایا۔ میٹھا، مزے دار شہد۔ کسی بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ گھڑا آدھا خالی ہوگیا۔ لیکن پھر بچے بہت ڈرے۔ گروجی کو کیا جواب دیں گے۔ یہ تو چوری ہے۔ اِٹّو نے کہا ڈرو مت۔ ہم کچھ تدبیر کرتے ہیں۔

گروجی واپس آئے تو اِٹّو نے انھیں دروازے پر ہی روک لیا اور ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "گروجی مجھے معاف کر دیجیے۔ آپ کی خوب صورت لال رنگ والی چینی مٹی کی پلیٹ میرے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی۔"

"ارے یہ تم نے کیا کیا۔ یہ تو مجھے بہت پسند تھی۔ گروجی نے ناراض ہوکر کہا۔ اور وہ بس ایک ہی پلیٹ تھی۔ ویسی دوسری پلیٹ ہے بھی نہیں۔"

"جی گروجی۔ اسی لیے مجھے اتنا افسوس ہوا کہ میں نے خودکشی کرنے کی سوچی اور گھڑے سے لے کر دوا چاٹ لی۔ آپ نے کہا تھا نا کہ اسے کھانے سے بچے مرجاتے ہیں۔ تو میرے ساتھیوں کو لگا کہ وہ میرے مرنے سے بہت اُداس ہوجائیں گے۔ میرے ساتھ انھوں نے بھی مرجانا چاہا۔ اس لیے سب نے وہ دوا چاٹ چاٹ کر خوب کھائی۔ بڑی میٹھی دوا تھی۔ گھڑا آدھا ہی رہ گیا۔ بلکہ آدھے سے بھی کم۔ یہ اور بات ہے کہ ابھی تک ہم میں سے کوئی مرا نہیں۔"

پوری بات سن کر گروجی اِٹّو کی چالاکی سمجھ گئے۔ دیکھا تو اِٹّو بھی مسکرا رہا تھا۔ وہ زور سے ہنس پڑے۔ بولے، "مجھے معاف کردو اِٹّو۔ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ وہ دوا نہیں شہد ہے۔ تم لوگ کبھی مروگے نہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں اب کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ تم لوگ بھی کبھی جھوٹ مت بولنا۔"

اِٹّو اور سب بچوں نے ہاتھ جوڑ دیے۔ "گروجی آپ کی پلیٹ نہیں ٹوٹی ہے۔ جھوٹ سنبھالنے کے لیے میں نے جھوٹ بولا۔ اب ہم میں سے کوئی بھی کبھی جھوٹ نہیں بولے گا۔"

"اذلان تم بھی کبھی جھوٹ مت بولنا۔" دادی نے کہانی ختم کرکے کہا۔

ایک جھوٹ بول کر اسے سنبھالنے کے لیے دوسرا جھوٹ اور پھر تیسرا جھوٹ۔ آخر میں پول کھل جاتی ہے جیسے گروجی کی کھل گئی۔ اور اِٹّو کی بھی۔"

"ٹھیک ہے دادی۔ کوشش کریں گے۔" اذلان اپنے ٹوٹے دانتوں والی ہنسی ہنستے ہوئے بھاگ گیا۔ لیکن پھر واپس آکر کہا" دادی ایسی کہانی تو کہیں کی بھی ہوسکتی ہے۔ جاپان کی ہی کیوں؟" یہ بڑا اچھا سوال تھا۔ ایک عقل مند بچے کا سوال۔ دادی بہت خوش ہوئیں۔

بیٹا۔ انھوں نے کہا۔ انسان ہر جگہ ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی کہانیاں بھی ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ جاپان میں بھی بچے تمہارے جیسے ہوتے ہیں۔ ان کے بھی دانت ٹوٹتے ہیں۔ وہ شرارت بھی کرتے ہیں، پڑھتے بھی ہیں۔ ان کی بھی نانی دادی ہوتی ہیں۔ وہ بچوں کو کہانیاں سناتی ہیں۔"

اذلان کو اتنا صبر کہاں۔ وہ پھر بھاگ نکلا۔ کہانی تو سن ہی لی تھی۔

(تعارف جنوری 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Zakia Mashhadi
F-1, Grand Pallavi Court
Judge Court Road, Patna-800004 (Bihar)

شرارت سے توبہ...

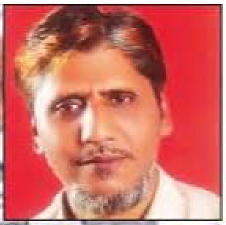

رحیم رضا

عادل حسین پسینے میں شرابور گیرج بند کر کے گھر لوٹ رہے تھے۔ حسب معمول وہ پھل لینے کے لیے ٹھیلے پر رکے۔ پھل دیتے ہوئے دوکان دار نے پوچھا عادل بھائی آج تو کافی دیر ہوگئی؟

ہاں بھائی! کام کام ہوتا ہے۔ گاہک کو اس کے وقت پر دینا پڑتا ہے۔ چاہے ہمارے کھانے پینے کے اوقات میں تبدیلی کرنی پڑے۔ گاہک کو خوش رکھنا ضرری ہے۔

بالکل صحیح کہا آپ نے ویسے بھی کتنی مندی ہے بھولے بھٹکے ہی کوئی گاہک آتا ہے۔ صبح سے ابھی مال ویسے کا ویسا پڑا ہے پھر بھی آپ جیسے کچھ گاہک ہیں جو روزانہ اپنے گھر کچھ نہ کچھ لے جاتے ہیں۔ سو گزر بسر چل رہی ہے۔ لوگ بھی کیا کریں۔ ہر چیز کی قیمت اب آسمان کو چھو رہی ہے۔ روزی روٹی ٹھیک سے چلے تو لوگ پھل کی طرف بھی دیکھیں۔

ہاں ہاں لیکن عبدل میاں! جب لوگ محنت اور ایمانداری سے اپنی روزی کماتے ہیں اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اللہ ان کے رزق میں برکت دیتا ہے۔

جی صحیح کہتے ہیں آپ۔

عادل حسین نے گھر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ گلی کے نکڑ پر ہی کسی نے کہہ دیا کہ ان کا چھوٹا بیٹا ساجد روتا ہوا گھر کی طرف گیا ہے وہ کچھ پریشان ہوئے۔ اس وقت ساجد گھر کی طرف؟ کہیں طبیعت تو خراب نہیں ہوگئی؟ وہ اپنے بچوں کے معاملے میں کافی جذباتی تھے۔ خود تو زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن بچوں کو پڑھانا چاہتے تھے۔ بچوں کی طرف کسی کی ترچھی نگاہ بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی بچوں کی شکایت کرتا تو فوراً آگ بگولہ ہو جاتے اور شکایت کرنے والے کو ہی صلواتیں سناتے اس لیے اب پڑوسی بھی ان کے بچوں کی شرارتوں پر چپ رہنے میں ہی عافیت جانتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساجد اور ماجد دونوں بھائی شرارتی ہونے کے ساتھ ساتھ ضدی بھی ہوگئے تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ انھیں اپنی ماں کی طرف سے بھی مکمل آزادی تھی۔ کوئی پوچھ تاچھ نہ کوئی روک ٹوک بلکہ وہ اپنے لاڈلوں کی غلطیوں پر ہمیشہ پردہ ڈال دیتی تھیں۔ دونوں بھائی نہ وقت پر اسکول جاتے نہ ہوم ورک کرتے، یہی وجہ تھی کہ ماجد میٹرک کے امتحان میں فیل ہوگیا۔

عادل حسین جو اپنی والدہ کا بہت احترام کرتے تھے ان

کی ہر بات بہت مانتے تے لیکن بچوں کو لے کر کبھی کبھی والدہ کی بات کو نظر انداز کر دیتے، بے چاری دل مسوس کر رہ جاتی، ماجد کے فیل ہونے پر انھوں نے سخت سست کہنا چاہا تو بہو کہنے لگی جانے دیجیے۔ زیادہ پڑھ لکھ کر کون سے صاحب بننے والے ہیں سنو جی! اب مجبوں کو اپنے ساتھ گیراج لے جایا کریں آپ کے کام میں ہاتھ بٹائے گا۔ یوں ماجد اب گیراج جانے لگا تھا۔

عادل صاحب گھر پہنچے دیکھا تو ساجد ماں سے لپٹا رو رو کر اپنی بپتا سنا رہا تھا۔ دیکھنا اب میں کل سے اسکول نہیں جاؤں گا۔

کیا ہوا یہ گھر کیوں آ گیا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے۔

سعیدہ خانم نے تیوریاں چڑھاتے ہوئے ماجد کی قمیض اٹھا کر اس کی پیٹھ دکھاتے ہوئے کہا۔ دیکھیے ٹیچر نے کس بری طرح پیٹا میرے لعل کو، ہائے! میرا معصوم بچہ، خدا کرے اس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں وہ نہ کسی بات کی تفتیش کرتی اور نہ کسی کو کچھ بولنے کا موقع دیتی تھیں۔ وہ روہانسی ہو کر ہمیشہ کی طرح کوسنے لگی۔ دادی اماں تخت پر بیٹھی تسبیح پھیرتے ہوئے بہو کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں، ان سے رہا نہ گیا۔

ارے بہو! عدو کو کھانا تو کھا لینے دے۔ صبح سے بھوکا پیاسا تھکا ہارا گھر آیا ہے، اپنے لاڈلے سے یہ تو پوچھ لیتی کہ آج کیا گل کھلا کے آیا ہے۔

عدو! جا بیٹا ہاتھ منہ دھو، کھانا کھا۔ ٹیچر کو برا بھلا کہنے کے سوا بہو کو کچھ آتا بھی ہے؟

ماں! مجھے پوری بات تو سننے دو، کھا لوں گا، کھانا کہاں بھاگا جا رہا ہے؟ ہاں! کون تھا وہ جس نے تجھے اتنی بری طرح پیٹا کہ ورم آ گیا۔ ماجد ہمدردی پا کر پھر رونے لگا۔

ارے میں کہتی ہوں پوچھ تاچھ ہی کرتے رہو گے یا دو قدم جا کر اس کی خبر لو گے جس نے بچے کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔

عادل حسین غصے میں بھرے ہوئے الٹے پاؤں ماجد کا ہاتھ پکڑ کر اسکول کی طرف چلے۔ احاطے میں پہنچتے ہی زور سے آواز لگائی۔

ماسٹر صاحب! باہر آئیے میرے بیٹے کو اتنی بری طرح کس نے پیٹا کہ پیٹھ پر ورم آ گیا اور وہ اتنا ڈر گیا کہ اسکول چھوڑنے کا کہہ رہا ہے۔ آس پاس کی جماعتوں کے ٹیچر بھی متوجہ ہو گئے اور ہیڈ ماسٹر بھی گھبرائے ہوئے آفس سے باہر نکلے۔

کیا ہو گیا عادل بھائی۔ کیا بات ہے؟

بات کیا ہو گی؟ اس کے ٹیچر کو بلاؤ کیوں مارا اسے؟

آپ بات تو سنیے، عادل تو آج اسکول نہیں آیا تھا۔ ٹیچر کیسے مارے گا؟

تو کیا یہ جھوٹ بول رہا ہے؟

آئیے آفس میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ میں خود آپ کو بلانے والا تھا۔ دراصل معاملہ یہ....

معاملہ میں خود نپٹ لوں گا پہلے آپ ٹیچر کو بلاؤ جس نے اسے پیٹا۔

آپ کا بیٹا دو تین روز سے اسکول نہیں آ رہا تھا۔ ہیڈ ماسٹر نے وقت کی نزاکت بھانپتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

آپ اسی سے پوچھیے کس نے مارا؟

یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ عادل صاحب نے بیٹے سے پوچھا۔

ماجد ہونقوں کی طرح منہ دیکھ رہا تھا کیونکہ اب سارا قصہ سامنے آنے والا تھا۔

ماجد کو بدتمیزی، لاپرواہی اور ساتھیوں سے مار پیٹ کے

لیے کئی مرتبہ سمجھانے پر بھی اور تنبیہ کرنے پر بھی اثر نہ ہوا تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس کے والدین کو بلا کر اسکول سے نکال دینے کی بات کی تھی۔اب یہ ساری باتیں سامنے آنے والی تھیں۔

وہ منھ لٹکائے کھڑا رہا۔تب تک اس کی جماعت کے بچے اور کلاس ٹیچر بھی آچکے تھے۔انھوں نے آتے ہی کہا۔

ساجد میاں کی نئی شرارت دیکھیے اپنے ساتھیوں کے بستے سے کبھی کتاب کبھی بیاض تو کسی کی کمپاس بکس نکال کر دوسرے کسی بچے کے بیگ میں ڈال دیتا ہے، ٹیچر تلاشی لیتے ہیں تو یہ میاں صاف بچ نکلتے ہیں اور بے قصوروں کو سزا ملتی ہے۔آخر چند بچوں نے فیصلہ کیا کہ خاموشی سے نظر رکھی جائے کہ کون ایسا کرتا ہے اور ایک دو بار نہیں تین مرتبہ ساجد میاں کی شرارت سامنے آئی۔

لیکن! یہ بات تو مجھے کسی نے نہیں بتائی۔

کیسے بتاتے؟ آپ اپنے بچوں کی شکایت سننے کے بجائے دوسروں کو پھٹکارتے ہیں اپنے بچوں کی غلطیوں پر ہمیشہ پردہ ڈالتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی شرارتیں کم ہونے کی بجائے بڑھتی گئیں اور یہ خود سر اور ضدی تو تھے اب جھوٹ بھی بولنے لگے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کھنکھارتے ہوئے کہا

ماجد بت بنا کھڑا تھا آج پاپ کا گھڑا پھوٹ گیا تھا۔

دیکھیے جناب ماں باپ کا بے جا لاڈ پیار اور ان کی غلطیوں کو چھپانا ٹھیک نہیں۔

لیکن اس کو کس نے مارا اس کا تو پتہ چلے۔ عادل صاحب بچوں سے مخاطب ہوئے۔

پتہ نہیں انکل۔

ابو! ساجد میاں نے سسکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

مجھے کسی ٹیچر نے یا ان بچوں نے نہیں مارا دراصل میرے پرانے ساتھی جو ہمیشہ میرے ساتھ رہا کرتے تھے اور مجھ سے زیادہ شرارتی تھے کسی نے ساتویں تو کسی نے آٹھویں جماعت سے ہی اسکول آنا بند کر دیا تھا مجھے انھوں نے پیٹا۔

کیوں؟ عادل صاحب نے چیخ کر کہا۔

اس لیے کہ ان کے بہن بھائیوں نے میری شکایت ان کے پاس کی تھی اس لیے وہ مجھے پیٹتے ہوئے کہہ رہے تھے تمھاری وجہ سے ہمارا مستقبل خراب ہوگیا اور اب تمھاری وجہ سے بے گناہ بچوں کو سزا ملتی ہے تمھیں سبق سکھانا ضروری ہے۔

مجھے میری شرارتوں کی سزا مل گئی ابو میں معافی چاہتا ہوں اب دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔ میں اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہوں، عادل صاحب کا چہرہ دیکھنے لائق تھا۔اپنے بیٹے سے زیادہ خود انھیں ندامت محسوس ہو رہی تھی ان کی خفت مٹانے کے لیے ہیڈ ماسٹر صاحب نے ساجد سے کہا۔

شاباش بیٹا! چلو ہم نے تمھیں معاف کیا۔جائیے عادل صاحب گھر جائیے۔ساجد نے شرارت سے توبہ کرلی۔کل کا سورج نئی روشنی لے کر آئے گا۔ان شاء اللہ ہمارا ساجد ایک ہونہار اور فرماں بردار طالب علم ثابت ہوگا۔عادل صاحب گھر تک یہی سوچتے رہے۔ میری طرح کتنے والدین اور سرپرست حضرات ہمارے معاشرے میں یقیناً ایسے ہوں گے جو اپنے بچوں کی محبت اور بے جا لاڈ پیار میں اس قدر اندھے ہو جاتے ہیں کہ ان کی شرارتیں اور غلطیاں انھیں نظر نہیں آتیں اور آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب سوائے افسوس اور ندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا،کاش یہ بات میں پہلے سمجھ پاتا۔

(تعارف مارچ 2022 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Raheem Raza
2587, Raza Manzil, Khirnipura, At.:P:Yawal
Distt: Jalgaon- 425301 (Maharashtra)

حوصلہ کی اڑان

متین الدین

آج حامد صاحب کے یہاں بہت بڑی تقریب تھی۔ عزیز و اقارب اور رشتے دار سب ہی لوگوں کو تقریب میں شرکت کے لیے مدعو کیا گیا تھا۔ آج کا دن حامد صاحب کی زندگی کا سب سے سنہرا دن تھا۔ آج حامد صاحب کے بیٹے صابر نے سول سروس کا امتحان شاندار نتیجے کے ساتھ پاس کیا تھا۔ حامد صاحب نے بھی مہمانوں کے استقبال میں اپنی خوشی کا اظہار دسترخوان کو اچھے سے سجا کے کیا تھا۔ مہمانوں کی آمد اور چہل پہل سے قصبہ کی رونقیں دوبالا تھیں۔

آج شام کو طعام سے قبل صابر کو اپنا انٹروڈکشن دینا تھا جس میں صابر نے ساری محفل کو ہی حیرت زدہ کر دیا، صابر نے بتایا کہ میری کامیابی کا راز صحرا کے وہ دو پرندے ہیں جنھیں قدرت نے انسانوں کی رہنمائی کے لیے پیدا کیا ہے۔ جن کے لیے صحرا کی مشکلات میں رہتے ہوئے مثبت رویہ کے آگے منفی رویہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میری کامیابی کا راز ان ہی دو پرندوں کے مثبت رویے اور میرے منفی رویہ کے بیچ کا ملا جلا عمل ہے۔

پیارے بچو! صابر کی یہ کہانی آپ کے حوصلے کو اعتماد سے پر کر دے گی۔

صابر سنجیدہ، ہونہار اور پڑھنے لکھنے میں اپنے ساتھیوں سے اچھا تھا۔ کلاس کے بچے بھی اس کی صلاحیت کا لوہا مانتے تھے لیکن صابر کو نفسیات (Psychology) نے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کے امتحان کا نتیجہ اسکول کے دوسرے بچوں کے بالمقابل بہت مایوس کن آیا، صابر ہر وقت خاموش رہنے لگا، صابر کو ہر وہ چیز جسے وہ پسند کرتا تھا، بری محسوس ہونے گی۔ صابر ہر وقت اس افسوس میں مبتلا رہتا تھا کہ میرے ساتھ یہ کیا ماجرا ہوا ہے، ساتھ کے بچوں میں صابر نے شرم سے اپنے آپ کو افضل کی جگہ کمتر سمجھ لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اب کیا کرے، زندگی صابر کو بوجھ لگنے لگی۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہر چیز اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔ مذاق سے بچنے کے لیے صابر کو بس ایک ہی راستہ نظر آنے لگا کہ اس زندگی کو خیر باد کہہ دے اور اس کا صابر نے کئی بار ارادہ بھی کیا۔ ایک دن اسی خیال سے گھر سے رسی کا پھندا لے کر جنگل کی طرف نکل گیا جہاں وہ اکثر ایک خاص پیڑ کے نیچے کھیلا کرتا تھا۔ اپنے اسی خیال کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے پیڑ کے نیچے بیٹھ گیا تبھی دو پرندے آئے اور ٹرٹر شور مچاتے ہوئے میرے اوپر جی توڑ حملہ آور ہونے لگے، اس نے بتایا کہ پرندوں کے حملے اتنے سخت تھے کہ ان کی وجہ سے مجھے وہاں سے بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جیسے ہی میں کوئی حرکت کرنے کی کوشش کرتا پرندوں کے پنجے میرے سر پر ہوتے، اس خیال نے مجھے وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا کہ دیکھوں تو سہی یہ پرندے چاہتے کیا ہیں۔ دس قدم کے فاصلے پر میں نے دیکھا کہ زمین پر کچھ تنکوں کے سہارے ان کے انڈے رکھے ہوئے ہیں۔ تب میں سمجھ پایا کہ پرندے اپنے مستقبل کے لیے بڑے سے بڑے خطرے کا مقابلہ کرنے کو آمادہ رہتے ہیں۔ میں وہاں

سے دور جا کر بیٹھ گیا تو پرندوں میں پھر ہلچل ہوئی۔ انھوں نے شور وغل سے جنگل کو سر پر اٹھا لیا، شاید اس شور وغل کی وجہ سے ہی ان پرندوں کا نام ٹرٹر، ٹیٹرا پڑا ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں سے ایک گیدڑ (سیار) گزر رہا ہے۔ گیدڑ پر ٹیٹرا اس انداز سے حملہ کر رہا تھا کہ گیدڑ نے بھاگ کر اپنی جان بچائی، ابھی تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ فضا میں ایک خاص سائرن کی سی آواز گونجی، شاید یہ کسی خاص پرندے کی آواز تھی۔ اس آواز کو سنتے ہی سارے پرندے بے سمت اڑ کر بھاگنے لگے، یہ نظارہ میرے لیے بڑا دلچسپ تھا۔ میں بہت حیرت میں تھا کہ سارے پرندے تو کسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے بے سمت بھاگ رہے ہیں اور یہ ٹیٹرے کا جوڑا زمین پر اپنے پروں کو کھولے ہر طرح کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تیار ہے۔ تب ہی اچانک ایک باز اسی پیڑ پر آ بیٹھا جس پیڑ کے نیچے میں اپنے ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا۔ ٹیٹروں کا جوڑا اڑا اور پلک جھپکتے ہی اپنے پنجے باز کے سر سے مس کر دیئے۔ کبھی ایک ٹیٹرا کبھی دوسرا ٹیٹرا ایسے حملے کر رہے تھے جیسے کوئی جنگی جہاز مشق کے دوران الٹ پلٹ کر اپنے کرتبوں کا مظاہرہ کرتا ہے۔ نتیجتاً باز کو پیڑ سے بھگا کر ہی چھوڑا۔ ٹیٹروں کے اس عمل نے میرے اندر ایک امنگ بھر دی۔ واہ رے ٹیٹرے تیرے حوصلے کو سلام۔ ایک ہی وقت میں تین تین محاذ پر جنگ اور تینوں میں فتح۔

پرندوں کے اس عمل نے مجھے گھر لوٹنے پر مجبور کر دیا، میں گھر آکر بھی اسی منظر میں غرق تھا۔ نیند کی آغوش میں خواب اچک اچک کر پرندوں کی بہادری دکھا رہا تھا۔ اسی دوران میں نے دیکھا کہ آسمان ابر آلود ہے، بجلی چمک رہی ہے، تھوڑی ہی دیر میں موسم طوفان کی شکل اختیار کر گیا، آسمان سے بارش کے ساتھ اولے گرنے لگے۔ ہوا کا یہ عالم تھا کہ پیڑ اکھڑ اکھڑ کر زمین پر آ رہے تھے۔ موسم کی اس کیفیت سے مجھے پھر منفی رویے نے گھیر لیا کہ وہ بہادر پرندے صحرا کے تمام خطرات کا تو مقابلہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مگر آج قدرتی آفت نے بہادر پرندوں کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہوگا۔ اس کیفیت نے پھر میرے اندر منفی اور مثبت رویے کی جنگ چھیڑ دی اور میں پھر اس خیال میں مبتلا ہو گیا کہ آج میں بھی انھیں بہادر پرندوں کی طرح جان دے دوں گا۔ صبح ہوتے ہی جب میں کھیت پر گیا تو دیکھتا ہوں کہ وہ پیڑ اکھڑ کر زمین پر پڑا ہے جس کے نیچے میں جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ دور سے ہی سمجھ گیا کہ یہ بہادر ٹیٹرے ساری جنگ ہار گئے۔ جیسے ہی میں پیڑ کے پاس پہنچا ٹیٹرا پیڑ کے اندر سے باہر نکلا اور فوراً میرے سر پر پنجوں سے حملہ کر دیا۔ دوسرا ٹیٹرا بحفاظت پیڑ کے اندر ہی اپنے انڈوں پر بیٹھا تھا۔ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے پیڑ ٹیٹروں کی حفاظت کے لیے ہی ٹیٹروں کے اوپر آ کر گرا ہے۔ ورنہ ٹیٹرے اولوں کی مار سے کسی صورت بھی بچ نہیں سکتے تھے۔ واہ رے ٹیٹرو! تمھاری زندگی دراصل تمھاری مثبت سوچ کا نتیجہ ہے، تمھاری اس حوصلے کی اڑان کو دنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی۔

بس ان ٹیٹروں نے میری زندگی بدل دی اور میں ہر منفی خیال سے لڑنے کے لیے تیار ہو گیا جس کا نتیجہ آج آپ کے سامنے ہے۔

پیارے بچو! آپ بھی اونچی اڑان اڑ سکتے ہیں۔ بس ضرورت ہے اپنے بازوؤں میں مثبت (Positive) پنکھ لگانے کی۔

■

Matinuddin
Tai & Post: Umrai Kalan
Distt.: Moradabad- 244501 (UP)
Mob.: 9690287387

شاہ تاج خان

کولڈ ڈرنک

کہانی

"یہ لو! پھر کوکا کولا کی بوتل خالی ہے۔حمزہ یہاں آئیے!" حمزہ کی امی نے جھنجھلا کر غصے سے حمزہ کو آواز دی۔وہ دوڑتا ہوا آیا۔

"جی امی!" حمزہ کی امی بہت خفا تھیں۔

"آپ کو اپنے دانتوں کی بالکل فکر نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے آپ کے سامنے ہی بتایا تھا کہ آپ کو کولڈ ڈرنک بالکل نہیں پینا ہے۔" حمزہ کی امی نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"جی امی! فریج میں بوتل دیکھ کر میں خود کو روک نہیں پایا۔" حمزہ نے نظر نیچی رکھتے ہوئے دھیرے سے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔حمزہ کی امی نے الجھن بھرے انداز میں کہا۔

"اب میں آپ کے ابو کو کیا دوں گی؟ انہیں بھی تو کھانے کے ساتھ کولڈ ڈرنک چاہیے ہوتی ہے۔" حمزہ نے جلدی سے کہا۔

"امی! آپ مجھے پیسے دیجیے۔ میں انکل کی دکان سے کوکا کولا کی بوتل لے آتا ہوں۔" اُن کی مجبوری تھی کہ کولڈ ڈرنک کے بغیر حمزہ کے ابو کو کھانا، کھانا پسند نہیں تھا۔وہ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگیں۔

"ایک کو کولڈ ڈرنک دینا ہے اور ایک کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دینا ہے۔کیسی مشکل ہے؟ پتہ نہیں کس نے اور کب یہ کولڈ ڈرنک ایجاد کی ہے؟" پیچھے سے آواز آئی۔

"1798 میں جوزف پریسٹلی (Joseph Priestley) نے۔" عنبرین کی کھنکتی آواز سُن کر وہ پریشانی میں بھی مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ارے عنبرین! میں کوکا کولا کی تاریخ نہیں جاننا چاہتی، میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ کیا دنیا میں ایسی کوئی جگہ ہے جہاں کوکا کولا نہ ملتی ہو۔تو ہم سب وہیں جا کر رہنے لگیں۔"

عنبرین نے برجستہ کہا "شمالی کوریا اور کیوبا۔بس اِن دو ممالک میں ہی کوکا کولا نہیں ملتی ہے۔آپ انہیں دو ممالک میں ڈیرا ڈال سکتی ہیں۔" عنبرین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"شرارتی! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔اِن باپ بیٹے نے مجھے اِس کولڈ ڈرنک کی وجہ سے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ جب سے ڈاکٹر کے یہاں سے واپس آئی ہوں تب سے میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں، کہ کیا کروں؟ آخر یہ سب میں کیسے سنبھال پاؤں گی؟" حمزہ کی امی نے فکر مند ہوتے ہوئے کہا تو عنبرین نے اپنی بھابھی کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے اُن سے

پوچھا۔

''بھابھی! کولڈ ڈرنک کو لے کر آج آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ اور ہاں! آج تو آپ حمزہ کو دانتوں کے ڈاکٹر (dentist) کے پاس لے جانے والی تھیں۔ کیا ہوا مجھے بتایئے؟ کیا ڈاکٹر نے کچھ کہا ہے؟'' عنبرین جانتی تھی کہ اُس کی بھابھی بہت خوش مزاج ہیں لیکن اِس وقت وہ اپنی عادت کے برعکس کافی پریشان نظر آ رہی تھیں۔

''ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ حمزہ کے دانتوں کی حالت بہت خراب ہے۔ کولڈ ڈرنک پوری طرح بند کرنے کی تاکید کی ہے اور تم تو اپنے بھائی جان کو جانتی ہو کہ اُن کا کوکا کولا کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اب تم ہی بتاؤ کیا کروں؟'' حمزہ کی امّی نے اپنی پریشانی تفصیل سے بتائی۔

''مسئلہ تو ہے۔ کوئی حل تلاش کرنا ہوگا۔ بھائی جان کو بھی نہ جانے کس نے یہ کوکا کولا پینے کا مشورہ دیا ہے کہ اِس کے پینے سے اُن کی گیس کی پریشانی دور ہو جائے گی۔'' حمزہ کی امّی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہر وقت کوکا کولا کی بوتل فریج میں رہتی ہے۔ اسی لیے حمزہ نے تو پانی پینے کی جگہ صرف کوکا کولا ہی پینا سیکھ لیا ہے۔ میں بار بار منع کرتی ہوں لیکن وہ میری بات سنتا ہی نہیں ہے۔'' عنبرین نے کہا۔

''حمزہ ابھی صرف آٹھ سال کا ہے۔ جب وہ اپنے والد کو ہر روز کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ اسے صحت کے لیے نقصان دہ کیسے سمجھ سکتا ہے؟ بھلے ہی آپ اُسے کتنا ہی سمجھائیں۔ بچے باتوں سے نہیں بلکہ ہماری حرکتوں اور ہمارے روزمرہ کے کاموں سے سیکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر وقت اپنے گھر میں کولڈ ڈرنک دستیاب ہے تو اِس میں بچے کی نہیں ہماری غلطی ہے اور ہاں بھابھی! کولڈ ڈرنک کی بھی عادت (addiction) پڑ سکتی ہے۔ جس کا ثبوت اپنے گھر میں نظر آ رہا ہے۔'' حمزہ کی امّی نے کہا۔

''اِس مسئلہ کا کوئی حل تو تلاش کرنا ہوگا۔ کوئی ترکیب لگانا ہوگی۔'' عنبرین نے سوچتے ہوئے کہا۔

''مگر کیا؟'' عنبرین کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہی تھی اور حمزہ کی امّی منہ ہی منہ میں اپنے آپ سے بول رہی تھیں۔

''امّی ہوتیں تو کوئی حل نکال لیتیں۔ اور سب سے پہلے تو اپنے بیٹے کو ڈانٹتیں اور پوتے کو پیار سے سمجھاتیں۔ میری بات تو دونوں ہی نہیں سنتے ہیں۔'' عنبرین نے بھابھی کے کان کے پاس آ کر کہا۔

''بھابھی جی! امّی کل ہی تو گاؤں گئی ہیں۔ ایک ہفتہ سے پہلے وہ واپس نہیں آئیں گی۔ ہم دونوں کو ہی فی الحال کوئی حل تلاش کرنا ہوگا۔'' حمزہ کی امّی نے ہاں میں گردن ہلائی۔ عنبرین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''سب سے پہلے تو ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ آخر اِس مشہور و معروف مشروب کے نقصانات کیا ہیں؟ تبھی تو ہم اِس کے شیدائیوں کو سمجھا پائیں گے کہ یہ صحت کے لیے مضر ہے۔'' بھابھی نے عنبرین کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہ بات تم نے ٹھیک کہی۔ ہر روز صاحبزادے کو کہتی رہی کہ کولڈ ڈرنک پینا نقصان دہ ہے لیکن اُسے کیا مجھے بھی یہ نہیں معلوم کہ کولڈ ڈرنک نقصان دہ کیسے ہو سکتی ہے؟ میرے خود کے دماغ میں شک و شبہات ہیں تو میں اپنی بات مضبوطی سے کیسے کہہ سکتی ہوں؟ ایک بات بتاؤں! جب مجھے زیادہ گرمی کا احساس ہوتا ہے تو میں خود بھی کولڈ ڈرنک کو پانی پر ترجیح دیتی ہوں۔'' عنبرین نے بے ساختہ کہا۔

''میں بھی کولڈ ڈرنک پیتی ہوں۔ ہمیں پہلے اپنی معلومات میں اضافہ کرنا ہوگا۔ ہوں ں ں۔ رخشندہ سے بات کرتی

ہوں۔'' بھابھی نے حیرانی سے پوچھا۔

''یہاں میں اتنی پریشان ہوں اور تمھیں اپنی سہیلی سے بات کرنے کا خیال آرہا ہے۔'' عنبرین نے بھابھی کی خفگی کو محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔

''بھابھی! آپ بھول رہی ہیں کہ رخشندہ علمِ کیمیا کی طالبِ علم ہے۔ وہ شاید ہماری کوئی مدد کر سکے۔'' بھابھی نے اثبات میں سر ہلایا اور عنبرین نے رخشندہ کو فون ملایا۔ علیک سلیک کے بعد مدعا بیان کیا تو رخشندہ نے کہا۔

''کبھی کبھی کولڈ ڈرنک پینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن معمول بن جائے تو فکر کا باعث ہے۔ بچوں کے لیے ہی نہیں بلکہ کولڈ ڈرنک ہر ایک کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ بچوں پر اور خاص طور پر اُن کے دانتوں کو ہونے والا نقصان ہمیں کافی جلدی نظر آجاتا ہے۔ اور یہ کوئی پیٹ کی گیس کو ختم کرنے میں مددگار نہیں ہوتی۔ یہ غلط فہمی ہے یہ بات بھائی جان کو دلائل کے ساتھ سمجھانا ہوگی۔ میں کچھ نقصانات کے بارے میں تمھیں ابھی لکھ کر بھیجتی ہوں۔ اِس کے علاوہ میں اپنے ریسرچ گائیڈ پروفیسر عامر سے بھی کچھ معلومات حاصل کرتی ہوں۔ تا کہ ہر بات مکمل اور تصدیق شدہ ہو۔'' عنبرین نے اپنی سہیلی کا شکریہ ادا کیا اور اپنی بھابھی کو تفصیل سے آگاہ کیا تو وہ بھی کچھ حد تک مطمئن ہوئیں۔ تب عنبرین نے کہا۔

''بھابھی! پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔'' بھابھی نے کہا۔

''ارے ہاں! تم جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر آؤ۔ مجھے بھی تیز بھوک لگ رہی ہے۔ تب تک رخشندہ بھی ہمیں کچھ معلومات بھیج دے گی۔'' عنبرین غسل خانہ کی طرف بڑھ گئی اور بھابھی باورچی خانے میں کھانا گرم کرنے چلی گئیں۔ کھانا کھانے کے بعد وہ آرام کرنے چلی گئیں۔ تقریباً چار بجے دروازے کی گھنٹی بجی تو بھابھی نے دروازہ کھولا۔ سامنے رخشندہ کھڑی تھی۔

''بھابھی! میں نے سوچا کہ کیوں نا میں خود چل کر کچھ باتیں آپ لوگوں کو بتاؤں۔ دوپہر میں عنبرین کافی فکر مند لگ رہی تھی۔'' رخشندہ نے اندر آتے ہوئے کہا۔ تب تک عنبرین بھی ہال میں آگئی تھی۔ رخشندہ نے اپنی فائل کھولی اور اپنی بات شروع کی۔

''کولڈ ڈرنکس صرف بچوں ہی نہیں بلکہ سبھی کے لیے بہت نقصان دہ ہوتی ہیں۔ موٹاپا، ذیابیطس، جلدی امراض، امراضِ قلب، ڈپریشن وغیرہ جیسی بیماریوں کا ایک سبب یہ کولڈ ڈرنکس بھی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ اِس میں کوئی غذائی اجزا نہیں پائے جاتے۔ اِس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو ہمارے جسم کے لیے مفید ہو پوری بوتل پیٹ میں انڈیل لینے کے بعد بھی پیٹ نہیں بھرتا۔ کھانا کھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔'' بھابھی نے پوچھا۔

''لیکن جب میں کولڈ ڈرنک پیتی ہوں تو کافی اچھا محسوس کرتی ہوں۔'' رخشندہ نے جواب دیا۔

''صرف وقتی طور پر۔ کولڈ ڈرنک میں چینی کی مقدار زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جو جسمانی نظام میں گلوکوز اور شکر کو اچانک بہت بڑھا دیتی ہے۔ اسی لیے مختصر مدت کے لیے ہم بہت اچھا محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اور ہاں بھابھی! کیمیائی ردِعمل دماغ کو بتاتا ہے کہ ہم کچھ اچھا کر رہے ہیں۔'' بھابھی نے گردن ہلائی اور کہا۔

''ہاں تم صحیح کہہ رہی ہو۔ تھوڑی دیر بعد پیشاب آتا ہے اور پھر بھوک لگنے لگتی ہے۔'' رخشندہ نے کہا۔

''یعنی اتنی ساری کیلوریز بھی پیٹ میں گئیں اور کھانا پھر بھی کھانا پڑ رہا ہے۔ ہے نا عنبرین!'' عنبرین نے پوچھا۔

''ایک عام انسان کو ہر روز کتنی چینی کی ضرورت ہوتی

ہے؟ ہم کتنی چینی کھائیں کہ وہ ہمیں نقصان نہ دے۔'' رخشندہ نے بتایا۔

''صفر یعنی زیرو۔ مصنفہ صاحبہ! ہمارا جسم ہماری خوراک سے خود ہی گلوکوز تیار کرنے کا اہل ہے۔ اگر پھر بھی ہم چینی کھانا چاہیں تو 36 گرام چینی (9 چائے کے چمچ) مرد اور 25 گرام چینی (6 چائے کے چمچ) خواتین کے لیے کافی ہے۔'' بھابھی نے کہا۔

''کیا یہی چینی حمزہ کے دانتوں کی خرابی کے لیے بھی ذمہ دار ہے؟'' رخشندہ نے کہا۔

''جی بھابھی! آپ نے بالکل صحیح سمجھا۔ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں کہ ہمارے منہ میں 300 سے زیادہ نوع (Species) کے لاکھوں جراثیم (بیکٹیریا) موجود ہوتے ہیں۔ یہ چینی دانتوں اور مسوڑوں میں بیکٹیریا کی سرگرمی بڑھا دیتی ہے۔ جس سے دانتوں کی بیرونی سطح (Enamel) کو کافی نقصان پہنچتا ہے۔ کیویٹی (Cavity) ہو جاتی ہے دانت گلنے سڑنے لگتے ہیں۔ مسوڑوں کا ورم (Gingivitis) کا بھی مسئلہ ہو جاتا ہے۔'' بھابھی نے کہا۔

''ہاں! حمزہ کے منہ سے بدبو بھی بہت زیادہ آتی ہے۔ وہ بار بار پیشاب بھی کرنے جاتا ہے۔'' رخشندہ نے بتایا۔

''جی بھابھی! اسے Diuretic effect کہتے ہیں۔ یہ کولڈ ڈرنک میں موجود فاسفورک ایسڈ (Phosphoric acid) اور کیفین (Caffeine) کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بار بار پیشاب کی حاجت کے سبب جسم سے کئی ضروری مادے لگاتار خارج ہوتے رہتے ہیں اور ہمارا جسم دھیرے دھیرے کمزور ہوتا جاتا ہے۔ کیلشیم کی کمی، وٹامن کا اخراج، وھن العظام (Osteoporosis) کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ جس سے ہماری ہڈیاں کمزور ہو جاتی ہیں۔'' عنبرین نے کہا

''کوئی ایسی بات ہو جو ہم بھائی جان کو بتائیں تو وہ اپنی کولڈ ڈرنک پینے کی لت کو چھوڑنے کے لیے آمادہ ہو جائیں؟ مجھے لگتا ہے کہ یہ کام زیادہ ضروری ہے۔ گھر کی فریج سے اگر کولڈ ڈرنک کو باہر نکال کر پھینکنا ہے تو بھائی جان کو بھروسے میں لینا ہوگا۔'' رخشندہ نے کچھ سوچا اور پھر کہا۔

''کولڈ ڈرنک روز پینے کی وجہ سے جسم میں Visceral چربی بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے پیٹ کا سائز متاثر ہوتا ہے۔ موٹاپا دستک دیتا ہے۔ یہ مادہ (substance) صرف پیٹ پر ہی نہیں بلکہ دل، گردے، پھیپھڑوں اور جسم کے دوسرے اندرونی اعضا پر بھی جمنا شروع ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے اعضا صحیح طرح سے کام نہیں کر پاتے۔ نتیجتاً دل کا دورہ (Heart attack)، گردہ فیل (Kidney failure) اور دیگر کئی خطرناک بیماریاں ہمیں گھیر لیتی ہیں۔'' عنبرین نہ صرف گفتگو سُن رہی تھی بلکہ باتوں کو لکھتی بھی جا رہی تھی۔

''ایک بار تو میں نے بھی پڑھا تھا کہ کولڈ ڈرنک میں Benzene گیس پائی گئی تھی۔ جو کہ کوئلہ اور تیل کے جلنے سے نکلتی ہے۔ آرٹیکل میں یہ بھی لکھا تھا کہ گاڑی کے Exhaust pipe سے دھوئیں کی شکل میں یہ باہر نکلتی ہے اور یہ گیس کینسر کا سبب بن سکتی ہے۔'' رخشندہ نے کہا۔

''ہاں عنبرین! تم نے ٹھیک پڑھا ہے۔ کولڈ ڈرنک میں Sodium benzonate اور Ascorbic acid ہوتا ہے۔ ایک کیمیائی ردِ عمل کی صورت میں بوتل کے اندر Benzene گیس تیار ہو جاتی ہے۔ اس ردِ عمل کے لیے صرف روشنی اور گرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔'' بھابھی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''اوہ یہ تو بہت ہی خطرناک ہے۔ یہ باتیں ہمیں کوئی

بتاتا کیوں نہیں؟'' رخشندہ نے کہا۔

''دیکھیے بھابھی! آج یہ بہت بڑا بزنس ہے۔لیکن تمام معلومات بوتل پر لکھی ہوتی ہیں۔لیکن کچھ کوڈز کی شکل میں۔'' عنبرین نے فوراً کہا۔

''جنھیں عام لوگ نہ تو پڑھتے ہیں اور اگر پڑھ بھی لیں تو سمجھ نہیں سکتے،لیکن اب ہم اپنے آس پاس کے لوگوں اور کم از کم اپنے گھر کے لوگوں کو سمجھانے کی کوشش ضرور کریں گے۔ اتنی معلومات آج کے لیے کافی ہوں گی۔کیا کہتی ہیں بھابھی؟'' بھابھی نے پورے جوش اور اعتماد کے ساتھ کہا۔

''میں آج کولڈڈرنک کے خلاف اپنی مہم کے آغاز کا اعلان کرتی ہوں۔'' بھابھی کو فارم میں واپس دیکھ کر عنبرین اور رخشندہ نے کہا۔

''بھابھی آگے بڑھیے!ہم آپ کے ساتھ ہیں۔'' اور پھر ہال میں تینوں کے ٹھہاکے گونجنے لگے۔شور سن کر حمزہ بھی اپنے کمرے سے باہر آگیا۔وہ تینوں کو ہنستے دیکھ کر بہت حیران تھا کیونکہ آج صبح سے اُس کی امی بہت غصّے میں تھیں۔وہ تھوڑا مطمئن ہوا کہ چلو گھر کا ماحول ٹھیک ہوگیا ہے۔اُس نے سوچا کیوں نا کولڈڈرنک پی جائے۔جیسے ہی حمزہ نے فریج کھول کر کوکا کولا کی بوتل باہر نکالی پیچھے سے اُس کی امّی کی آواز آئی۔

''خبردار جو اِس بوتل کو ہاتھ لگایا۔اِسے ابھی کوڑے دان میں پھینک کر آؤ!'' حمزہ سمجھ ہی نہیں پارہا تھا کہ آج کھانے کے ساتھ لو جب کوکا کولا مانگیں گے تو امّی انہیں کیا دیں گی؟

■

Shahtaj Khan
588/2B, Hayat Manzil, Plot No-40
Flat No- 4, New Era Society Market Yard
Pune - 411037(MS)
Mob.: 9225545354

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.................. بتاریخ..................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

فرحان خان

محنت کا پھل

صبح کے آٹھ بج رہے تھے، صمد اپنے گھر کی چھت پر ٹہل رہا تھا۔ جب جب اس کی نظر سڑک سے گزرتے اپنے دوستوں پر پڑتی تو اس کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں، گویا آج اسی کا امتحان ہو۔ صمد سڑک پر جا رہے اپنے دوستوں کو دیکھتا اور سوچتا کہ وہ بھی ایک مہینے بعد ایسے ہی صبح صبح امتحان دینے جائے گا۔ یہ سوچ کر اس کی بے چینی اور بڑھ جاتی اور وہ مایوس ہو جاتا۔ اس نے پورے سال ٹھیک سے پڑھائی نہیں کی تھی، اب اسے اس بات کا بے حد افسوس ہو رہا تھا۔ وہ بار بار یہی سوچتا کہ کاش اسے وقت رہتے یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوتی اور اس نے اپنی پڑھائی پر توجہ دی ہوتی تو آج اسے یوں افسوس نہ کرنا پڑتا۔ اسے خیال آتا کہ اس کے والد کتنی محنت و مشقت سے اسے پڑھاتے ہیں۔ اگر وہ دسویں کا امتحان پاس نہ کر سکا تو انھیں کتنی تکلیف ہوگی۔ وہ اپنے گھر کے حالات سے اچھی طرح واقف تھا، اس نے پہلے سے ہی سوچ رکھا تھا کہ وہ انٹرمیڈیٹ کے بعد کوئی نوکری تلاش کرے گا تاکہ اپنی آگے کی پڑھائی کا خرچ خود ہی نکال سکے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اب یوں افسوس کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ ان بچے ہوئے دنوں میں وہ بہت محنت و لگن سے پڑھائی کرے گا اور اپنے والدین کو مایوس نہیں ہونے دے گا۔ اسی دن سے اس نے خوب محنت سے پڑھائی شروع کر دی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک مہینہ گزر گیا، صمد کے امتحان ختم بھی ہو گئے اور وہ دن بھی آ گیا جب اس کے امتحان کا نتیجہ آنے والا تھا۔ صمد صبح سے بے قرار بیٹھا تھا اور بے حد بے چینی سے اپنے نتیجے کا انتظار کر رہا تھا جو شام کے تین بجے انٹرنیٹ کے ذریعے شائع ہونے والا تھا۔

جیسے جیسے نتیجہ آنے کا وقت قریب آ رہا تھا ویسے ویسے صمد کی دھڑکنیں بھی تیز ہونے لگی تھیں۔ بالآخر تین بج ہی گئے اور اس سے پہلے کہ صمد اپنا نتیجہ انٹرنیٹ پر چیک کرتا اس کے ایک

دوست کا فون آ گیا۔ صمد کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اس قدر پریشانی میں مبتلا دیکھ کر اس کے گھر والوں نے حیران و پریشان ہو کر اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے روتے ہوئے اپنے دوست کے ناکام ہونے کی خبر گھر والوں کو سنائی۔

اس نے کہا کہ جب میرا دوست پورے سال تین تین کوچنگ لینے کے بعد بھی فیل ہو گیا تو میرا کیا ہوگا۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ اس کے ایک اور دوست کا فون آ گیا۔ اب صمد کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا لیکن اسے یقین نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور خود سے انٹرنیٹ پر اپنا نتیجہ دیکھا تب جا کر اس کے دل کو تسلی ہوئی، اس نے فوراً تمام گھر والوں کو خوش خبری دی کہ وہ امتیازی نمبروں سے پاس ہو گیا ہے۔ یہ سن کر سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے اور سب نے اسے مبارکباد پیش کی۔

اس کے کچھ جگری دوستوں نے بھی دسویں کا امتحان اسی کے اسکول سے پاس کیا تھا۔ اب سب کی یہی خواہش تھی کہ ایک ہی کالج سے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی جائے۔ سب نے گیارہویں میں داخلے کے لیے آن لائن فارم بھرے لیکن بدقسمتی سے چاروں دوستوں کو الگ الگ کالج ملا اور انھیں اسی کالج میں داخلہ لینا پڑا۔ الگ الگ کالج ہونے سے چاروں دوستوں پر کچھ خاص اثر نہیں پڑا کیونکہ کالج میں پڑھائی نہ ہونے کی وجہ سے انھیں کالج جانا ہی نہیں پڑتا تھا۔ کالج میں پڑھائی نہ ہونے کی وجہ سے چاروں نے ایک ہی کوچنگ جوائن کر لی۔ اب وہ ہر روز ساتھ ہی آتے جاتے۔ دو مہینے گزر گئے، اس درمیان صمد کو محسوس ہوا کہ اسے کوئی کام کرنا چاہیے تاکہ اپنا خرچ وہ خود نکال سکے، لیکن کیا کرے اسے یہ سمجھ نہیں آ رہا تھا، ابھی وہ عمر میں بہت چھوٹا تھا۔ اسے کوئی کام بھی نہیں آتا تھا۔ ایسے میں اسے کام کون دیتا، اب سب باتوں کو سوچ کر اس کے چہرے پر مایوسی چھا گئی، لیکن وہ محنت سے پڑھتا رہا، اس کی قابلیت میں اضافہ ہوتا گیا۔ کچھ دنوں بعد اس کے گاؤں کے ایک پرائمری اسکول سے پڑھانے کے لیے آفر آیا، صمد کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا، وہ خوش ہو گیا کہ اب اس کے مسائل حل ہو جائیں گے۔

آج بطور استاد صمد کا اسکول میں پہلا دن ہے، آج وہ بے حد خوش بھی ہے اور تھوڑا گھبرایا ہوا بھی، کیونکہ آج سے اس کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے۔ اس موقعے پر اس نے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کیا کہ وہ پوری ایمانداری سے بچوں کو پڑھائے گا۔ وہ جلدی جلدی تیار ہوا اور اسکول کے لیے نکل گیا۔ جیسے ہی وہ کلاس روم کے اندر داخل ہوا سارے بچوں نے کھڑے ہو کر صمد کا استقبال کرتے ہوئے 'گڈ مارننگ سر' کہا۔ یہ الفاظ سن کر صمد کے دل کی دنیا بدل گئی۔ وہ جس کلاس روم میں جاتا ہے وہاں اس کا استقبال ہوتا ہے، اتنی عزت کا تصور صمد نے کبھی نہیں کیا تھا۔ اب وہ روز اسکول سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دوستوں کے ساتھ کوچنگ کے لیے جاتا اور شام میں تھکا ہوا گھر واپس آتا لیکن اسے تھکن کی وجہ سے دکھ نہیں ہوتا بلکہ اب اسے خوشی ملتی کہ اب وہ اپنا خرچ خود سے نکال سکے گا۔

دھیرے دھیرے ایک مہینہ گزر گیا اور وہ دن بھی آ گیا جب اسے زندگی کی پہلی تنخواہ ملی اور اس دن وہ اسکول سے چھٹی لے کے بھاگتا ہوا گھر پہنچا اور اپنی پہلی تنخواہ اپنی والدہ کے ہاتھ پر رکھ دی، اسے ایسا کر کے بے انتہا خوشی کا احساس ہوا۔

■

Farhan Khan
Beladhi, Sahsaram
Distt: Rohtas- 821113 (Bihar)
Mob.: 6299646875

مطلوب احمد

سچائی کا پھل

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ریلیں، موٹریں اور جہاز وغیرہ نہیں بنے تھے۔ لوگوں کو ایک ملک سے دوسرے ملک تک سفر کرنے میں کئی کئی مہینے لگ جاتے تھے اور پھر راستے میں انھیں طرح طرح کے خطروں سے بھی دوچار ہونا پڑتا تھا۔ بعض مسافر جنگلی درندوں کا شکار ہو جاتے تھے۔ بعض چوروں اور ڈاکوؤں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن جاتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ اکیلے بہت کم سفر کرتے تھے تاکہ راستے میں چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ رہیں۔ وہ قافلے بنا کر چلتے تھے۔

آج سے بہت پہلے ایسا ہی ایک قافلہ بغداد جا رہا تھا۔ اس قافلے میں ایک کم سن بچہ بھی شامل تھا جس کا باپ مر چکا تھا۔ وہ اپنی ماں سے ضد کر کے تعلیم حاصل کرنے بغداد جا رہا تھا۔ ماں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ ابھی بہت چھوٹا ہے، جب بڑا ہو جائے پڑھنے کے لیے ضرور بغداد جائے، مگر بچہ اپنی ضد پر قائم رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد پڑھ لکھ کر دوسروں کے کام آئے۔ آخر ماں نے تھک ہار کر بچے کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ چلتے وقت ماں نے اپنے بیٹے کی ایک آستین میں چالیس دینار سی دیے اور بچہ ہنسی خوشی قافلے کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

یہ قافلہ دمشق کی سرسبز وادیوں سے گزرتا ہوا جب ہمدان کے ریگستان میں داخل ہوا تو اچانک اس پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ انھوں نے پورے قافلے کا سامان لوٹ لیا۔ بچہ یہ منظر دیکھ کر سہم گیا اور کچھ دور ہٹ کر ایک طرف اکیلا کھڑا ہو گیا۔ ایک ڈاکو نے بچے کو دیکھا اور اس کے پاس آ کر پوچھا ”لڑکے، کیا تمھارے پاس بھی کچھ ہے؟“

”ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں۔“ لڑکے نے جواب دیا۔

ڈاکو نے اسے ایک بچے کا مذاق سمجھا اور ہنستا ہوا چلا گیا۔ اس کے فوراً بعد ہی ایک دوسرا ڈاکو آیا اور اس نے بھی

بالکل یہی سوال کیا۔ جواب سن کر یہ ڈاکو بھی ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔ کچھ دور آگے جا کر جب یہ دونوں ڈاکو ایک ساتھ ہوئے تو اس لڑکے کا بھی ذکر آیا۔ دونوں ڈاکوؤں نے کہا ''بچے کے پاس بظاہر تو کچھ نظر نہیں آتا۔''

تھوڑی دیر کی بات چیت کے بعد انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عجیب و غریب بچے کو سردار کے پاس لے جانا چاہیے۔ چنانچہ وہ دوبارہ بچے کے پاس آئے اور اسے لے کر سردار کے پاس چلے گئے اور اسے سارا واقعہ بتایا۔

''تمھارے پاس کتنے دینار ہیں؟'' سردار نے پوچھا۔

''میرے پاس چالیس دینار ہیں۔'' بچے نے پھر وہی جواب دہرایا۔

''لیکن وہ کہاں ہیں؟''

''میری آستین میں سلے ہوئے ہیں؟''

اور جب آستین کی سلائی اُدھیڑی گئی تو سچ مچ اس میں چالیس دینار موجود تھے۔

بچے کی سچائی دیکھ کر ڈاکوؤں کا سردار دنگ رہ گیا۔

''تم کہاں جا رہے ہو؟'' سردار نے پوچھا۔

''بغداد۔''

''کس لیے؟''

''پڑھنے کے لیے۔''

''لیکن تمھارے دینار تو بہت محفوظ تھے، پھر تم نے کوئی بہانہ کیوں نہیں بنایا؟''

''چلتے وقت میری ماں نے کہا تھا کہ بیٹے تم کبھی جھوٹ نہ بولنا۔ میں اپنی ماں کی نصیحت کے خلاف کیسے کر سکتا تھا؟''

بچے کا یہ جواب سن کر سردار نے سر جھکا لیا اور رونے لگا۔ اس نے کہا ''یہ ننھا سا بچہ اور اس قدر سچا ہے کہ اپنی ماں کی نصیحت کے خلاف نہیں کر سکتا، چاہے اس کی ساری پونجی لٹ جائے اور ہم سالہا سال سے خدا کے حکم اور اس کی مرضی کے خلاف کام کرتے چلے آئے ہیں۔ ہم نے کتنے بچوں کو یتیم اور کتنی ماؤں کو بیوہ بنا دیا ہے۔ ہماری وجہ سے کتنے لوگوں کی خوشیاں چھن گئی ہیں۔ لیکن ہم نے کبھی بھی یہ نہ سوچا کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ آخر کل ہمیں بھی تو خدا کے سامنے جانا ہے، ہم اس کو کیا جواب دیں گے؟''

اس کے بعد سردار نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''میں آج سے اس خراب کام سے توبہ کرتا ہوں، تم میں سے جو شخص بھی میرا ساتھ دینا چاہے وہ میرے ساتھ توبہ کر لے اور جو اس پیشے پر قائم رہنا چاہتا ہو تو وہ میرا ساتھ چھوڑ دے۔''

تمام ڈاکوؤں نے ایک زبان ہو کر کہا ''ہم بھی اس برے کام سے توبہ کرتے ہیں اور آئندہ کبھی ایسا کام نہیں کریں گے۔''

تھوڑی ہی دیر بعد ساٹھ ڈاکوؤں کا یہ گروہ ڈکیتی سے توبہ کر کے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہونے کی تیاریاں کرنے لگا۔ چلتے وقت ڈاکوؤں نے قافلہ کا لوٹا ہوا تمام سامان ان کے مالکوں کو واپس کر دیا اور لوٹے ہوئے دوسرے سامان کو غریبوں میں بانٹ دیا۔

اس طرح ایک بچے کی سچائی کی بدولت پورے قافلے کا لوٹا ہوا مال واپس مل گیا اور وہ ڈاکو جو زندگی بھر ڈکیتی کرتے چلے آئے تھے انھوں نے توبہ کر لی اور سماج کے اچھے فرد بن گئے۔

اس بچے کا نام عبدالقادر جیلانی تھا جس نے بڑے ہو کر بڑا نام کمایا اور اپنی نیکی اور سچائی کی بدولت دنیا بھر میں مشہور ہو گیا۔

■

ماخذ: ماہنامہ 'کھلونا'، نئی دہلی، مدیر: الیاس دہلوی، جنوری 1970

آؤ چھولیں چاند ستارے

عبدالرشید اعظمی

'آؤ چھو لیں چاند ستارے' شجاع الدین شاہد کی بچوں کے لیے کی گئی شعری تخلیقات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ادب اطفال میں ایک اضافہ ہے۔ مجموعے میں کلام کی ترتیب کا انھوں نے بہت خیال رکھا ہے۔ اولاً رؤف صادق نے شجاع الدین شاہد کا تعارف پیش کیا ہے۔ بعد ازاں 'اپنی بات' کے تحت شجاع الدین شاہد نے دو صفحات پر مشتمل اپنے خیالات اپنی تخلیقات کے حوالے سے ظاہر کیے ہیں۔ قدیم روایت کے مطابق دو نعتیہ تخلیقات فہرست کلام میں اولیت کا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ ترتیب بتاتی ہے کہ کوئی بھی کام شروع کرنے سے قبل مالک کائنات کی حمد کی جائے جو بابرکت عمل ہے۔

حمدیہ کلام کے بعد شجاع الدین شاہد نے اشرف المخلوقات کی خوش حالی و ترقی میں نمایاں کردار ادا کرنے والے لوازمات و کردار کو منظوم شکل میں ترتیب دیا ہے۔ بچے عموماً و خصوصاً مناظر فطرت کی طرف مائل ہوتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ بچوں کی اس فطرت و شوق کا خیال کرتے ہوئے شجاع الدین شاہد نے نعتیہ کلام کے فوراً بعد 'بھالو کھیل دکھائے کیوں' کے عنوان سے نظم پیش کی ہے۔ بچوں کو دعاؤں سے کیا سروکار، اس لیے شاعر نے فوراً بعد ان کی پسند کا خیال رکھتے ہوئے بھالو کے کرتب دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اس موضوع کے ذریعے شاعر نے گویا بچے کی قرأت کے لیے ذہن سازی کی ہے۔ اس کے بعد سائنسی موضوع کو مس کیا ہے اور 'سورج کا خاندان' عنوان سے فلک اور اجرام فلکی کی سیر کرائی ہے۔ اس کے بعد 'ننھے میاں اور موبائل' عنوان سے جدید ٹیکنالوجی کی پیداوار موبائل اور اس کے عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے مختصر ترین الفاظ میں اس کے نقصان کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ ذہن بوجھل نہ ہو پھر فطرت کی طرف لوٹتے ہیں اور ایک خوش آواز پرندہ 'کوئل کہاں ہے تو' پر نظم پیش کی ہے۔ بہت دنوں تک کوئل کے نظر نہ آنے پر بچہ سوال کرتا ہے نیز اس کے غائب از نظر ہونے کا سبب انسان کو بتاتا ہے کہ ہم انسانوں نے فطرت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی ہے۔ ندی نالوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ، آبشاروں و پہاڑوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ، جنگلوں و پرندوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ، گویا شاعر کی تخلیقات دراصل بچوں کے لیے ہیں لیکن انھیں الفاظ و اشعار میں ان کے مشاہدۂ ارضی و سماوی کو پیش کیا گیا ہے۔ پورا مجموعہ فطرت سے ماخوذ موضوعات کے ساتھ جدید ٹکنالوجی، سائنسی موضوعات، اخلاقی موضوعات مثلاً چوکیدار بن اجرت کا، بادل تم کیوں آتے ہو، ہمارا بکرو، مجھے دادی اماں کہانی سناؤ، راکٹ، لوکل ٹرین، پانی جگ کا سہارا، سردی آئی، علم ہی اونچائی پر لے جائے، پانی ہے انمول، قلم تھام لو، میں ہوں وقت، آؤ چھولیں چاند ستارے، طیارہ نام میرا، ایسی نظمیں ہیں جو بچوں کو سائنسی

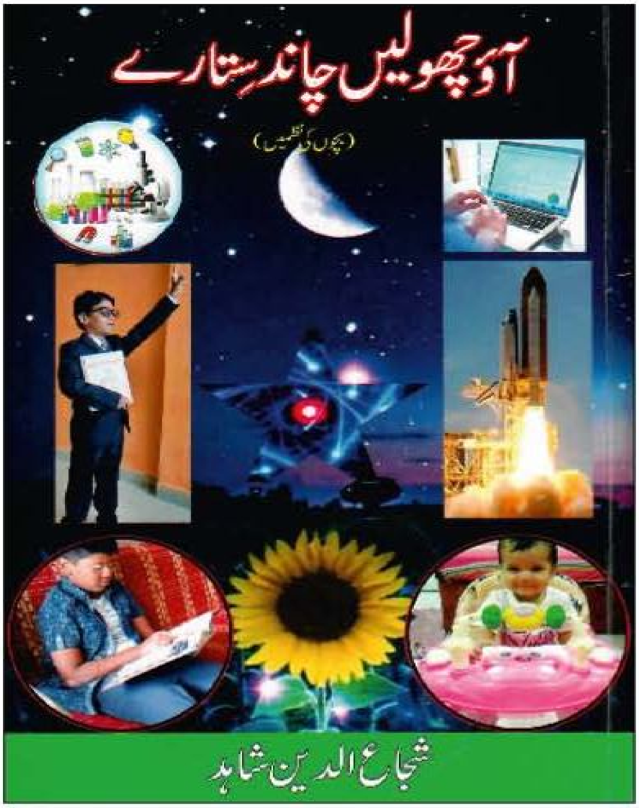

آؤ چھولیں چاند ستارے۔ مصنف: شجاع الدین شاہد۔ صفحات: 104،
قیمت: 100 روپے رابطہ: نیوز ٹاؤن پبلشرز، تھانے (مہاراشٹر)

موضوعات کی طرف مہمیز کرتی ہیں اور انھیں پڑھنے کی رغبت دلاتی ہیں۔ درمیان میں شاعر اپنے موضوعات بدل بدل کر قرأت کے ذائقے کو مزید لذت عطا کرتا ہے۔ نیز انواع و اقسام کے ذوق سے متعاف کراتا رہتا ہے۔ کتاب کے پہلے نصف حصے کے اسلوب کو دوسرے نصف میں دہرایا گیا ہے اور انہی اخلاقی موضوعات سے ہوتے ہوئے سماجی و سائنسی موضوعات کو پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں شاعر نے بہت خوبصورت انداز اختیار ہے کہ اختتام قرأت کے بعد بچوں کی ذہنی آزمائش کی ہے اور چار چار مصرعوں پر مشتمل سات پہیلیاں درج کی ہیں، تاکہ بچے دماغ پر زور دینے، سوچنے اور بولنے کی مشق کریں۔ کہیں کہیں بحور و اوزان میں شترگربگی سے بھی سابقہ پڑتا ہے جس کی حیثیت زنبیل زر و جواہر میں خذف ریزوں کی ہے۔

اوپر میں نے لفظ 'حصے' کا ذکر کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کتاب کو شاعر نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس سے میری مراد صرف یہ ہے کہ پوری کتاب میں صاحب کتاب نے اپنے کلام کی جو ترتیب رکھی ہے اسے نصف تک جیسے ترتیب دی ہے، نصف کے بعد وہی ترتیب برقرار رکھتے ہوئے کبھی فطرت پر مرکوز نظم نگاری کی ہے تو کبھی سائنس کے موضوع کو مس کیا ہے۔ کبھی قدرت کی عطا کردہ نعمت بے بہا کو موضوع نظم بنایا ہے جیسے نظم 'میں چندریان 2'۔ اس نظم میں شاعر نے 'چندریان 2' کے سفر فضا کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ صحت مند جسم میں صحت مند دماغ ہوتا ہے اور ملک کی ترقی و خوشحالی کا دارومدار اچھی صحت اور اچھے دماغ پر ہے۔ اس لیے شاعر نے ایک نظم 'ملک و قوم کے تم ہو بازو' لکھی ہے جس میں نئی نسل کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ نئی نسل جو نشے کی عادی ہو رہی ہے اسے اس بری عادت سے بچنا چاہیے۔ منشیات کی جگہ پر مغز اور غذائیت سے بھرپور چیزوں کا استعمال کرنا چاہیے۔ نظم 'رانی گڑیا کی شادی' بظاہر ایک کھیل ہے لیکن شاعر نے اس سے سماج میں پھیلی جہیز کی لعنت کو نشانہ بنایا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ پیار محبت کے ماحول میں گھر جنت بنتا ہے نہ کہ جہیز میں حاصل ہونے والے سامان سے۔ حب الوطنی سے لبریز جذبات کو شاعر نے نظم 'میرا پیارا وطن' سے ظاہر کیا ہے جس میں شہدائے آزادی کا ذکر کیا ہے۔ کتاب بچوں، بڑوں سب کے لیے اہم ہے۔ قیمت بھی بہت معقول ہے۔

■

Abdur Rasheed Azmi
Gulmarg Apts, M-109, Abul Fazal Enclave
Jamia Nagar, Okhla
New Delhi- 110025
Mob.: 9953236119

سید شہاب الدین دسنوی

رابرٹ بنسن اور کرشوف

رابرٹ بنسن کی زندگی بڑی بااصول تھی۔ خوشحال گھرانے میں پیدا ہوا اس لیے اس کو کبھی معلوم ہی نہیں ہوا کہ غربت کیا ہوتی ہے۔ اسے لگاؤ تھا سائنس سے، بس یہی ایک چیز تھی جو اسے معلوم تھی۔ اس کے والدین کی شروع ہی سے یہ کوشش رہی کہ اپنے بیٹے کی تعلیم میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔ بنسن کا باپ یونیورسٹی میں پروفیسر تھا، اس لیے قدرتی طور پر بیٹے کو اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتا تھا۔ رابرٹ بنسن نے 17 سال کی عمر میں ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کرلی، اس کے بعد یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے لگا اور تین سال ہی کی مدت میں ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگری حاصل کرلی۔ تعلیم مکمل کر کے وہ یورپ کی سیر کو نکلا۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک گھوڑا گاڑی میں اور پیدل چل کر ایک شہر سے دوسرے شہر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پھرتا رہا۔ اس دوران میں اس نے بیسیوں کارخانے دیکھے جن میں کیمیکل تیار ہوتے تھے یا شکر بنائی جاتی تھی۔ برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیوں پر چڑھا اور کوئلے کی کانوں کی بھی سیر کی۔ اس کو فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور یورپ کے دوسرے ملکوں کے نامور کیمیادانوں سے بھی ملاقات کرنے کا موقع ملا۔ فرانس میں اس نے پہلی مرتبہ ریل گاڑی دیکھی جو ان دنوں بالکل نئی چیز تھی۔ بغیر گھوڑوں کی گاڑی۔

اس طرح گھوم گھام کر رابرٹ بنسن اپنے وطن لوٹا تھوڑے دنوں کے بعد اسے کیمیا پڑھانے کا موقع ملا۔ یہ 1834 کی بات ہے اس دن سے لے کر مرتے دم تک اس کی دلچسپی اپنی لیباریٹری، لیکچر اور کیمیائی تحقیق کے علاوہ اور کسی چیز میں نہ رہی۔ 25 سال کی عمر میں بھی اس کی روزمرہ کی زندگی کا معمول وہی تھا، جو 50 سال کی عمر تک رہا۔ پو پھٹتے ہی اٹھ جاتا اور اپنی میز پر پہنچ کر جو کام اس نے کیے تھے ان کو لکھ لیتا، جو اس نے پچھلے دن حاصل کیے تھے انھیں دوبارہ دیکھ لیتا۔ اپنے لیکچر کی تیاری کرتا۔ لیکچر دینے کے لیے اپنی لیباریٹری میں گھس

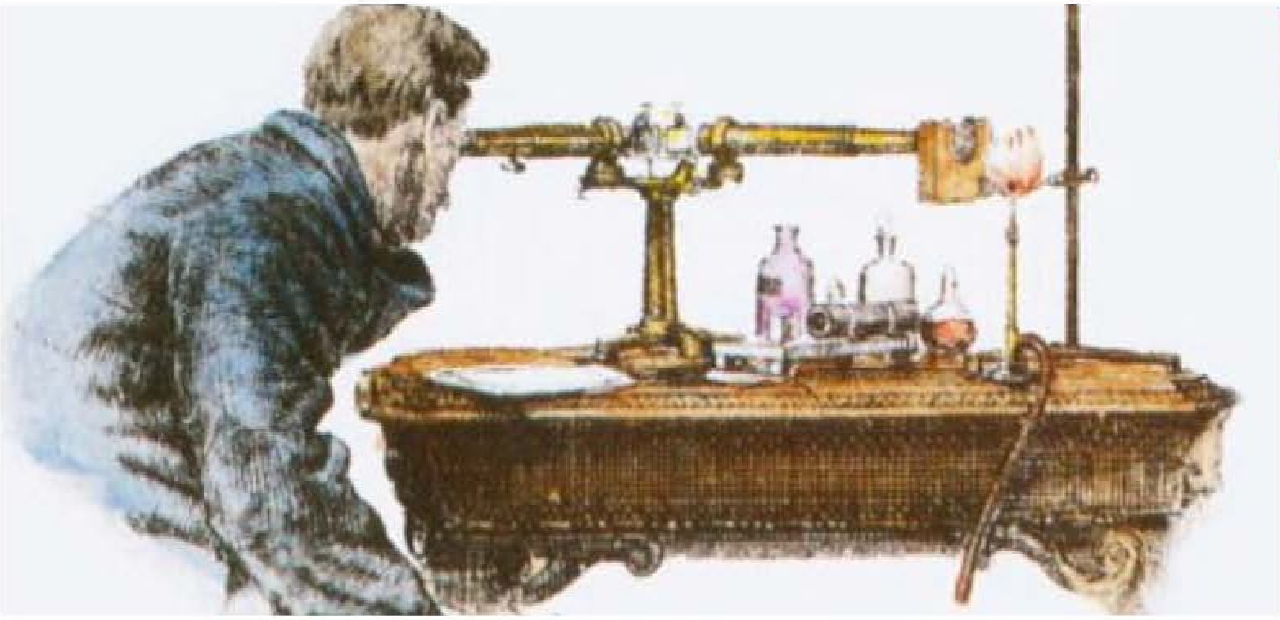

جاتا اور رات کے کھانے کے وقت تک کام میں منہمک رہتا۔ کھانا کھا کر اپنے کسی دوست کے ساتھ ٹہلنے نکل جاتا اور اس کے بعد پھر واپس لیباریٹری میں!

یہ معمول کبھی کبھار ناغہ بھی ہوجاتا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس کی وجہ سے رابرٹ بنسن کی تندرستی میں کوئی خلل نہیں آیا۔ وہ بڑھاپے تک کبھی بیمار ہی نہیں پڑا!! اس کو عشق ومحبت جیسے مشغلوں سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے شادی نہیں کی اس لیے خاندان کے سنبھالنے اور بال بچوں کے پالنے کے جھمیلوں میں پھنسنے سے بھی بچ گیا۔ وہ اپنے کام سے صرف اسی صورت میں غیر حاضر رہتا جب کسی تجربے کے دوران اس کا ہاتھ جل جاتا یا کوئی اور ایسا حادثہ پیش آجاتا جس کی وجہ سے وہ مجبوراً اپنے کام پر نہ آسکتا۔

رابرٹ بنسن کا سب سے پہلا کارنامہ کیکوڈل نام کے ایک زہریلے جز کو الگ کرنا تھا۔ اس کام میں، اس تجربے کے ایک دھماکے سے اس کی آنکھ جاتی رہی اور زہریلے دھوئیں سے وہ مرتے مرتے بچ گیا۔

بنسن اشیا کا تجزیہ کرنے میں کمال رکھتا تھا۔ دور دور سے طلبا اور کیمیا داں اس کے تجربے کے طریقے جاننے کے لیے اس کی لیباریٹری میں آیا کرتے تھے۔ وہ لیباریٹری جس میں اس نے نئے نئے سامان بنائے تھے۔

بنسن کو ایک دوست کرشوف Kirchooff مل گیا تھا جو اسی کی طرح بااصول اور خاموش زندگی گزارنے کا عادی تھا۔ کرشوف کا میدان عمل طبعیات اور ریاضی تھا۔ دیکھنے میں یہ دونوں دوست ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظر آتے تھے، قد وقامت کے لحاظ سے بھی اور عادت اور طبیعت کے لحاظ سے بھی۔ بنسن چوڑا چکلا، اونچے قد کا آدمی تھا اور کرشوف دبلا پتلا، چھوٹے قد کا۔ بنسن خاموش طبیعت اور کرشوف باتونی تھا۔ پھر بھی ان دونوں ذہین انسانوں میں گہری دوستی تھی اور دونوں کی مشترک دلچسپی سائنس کی دنیا تھی۔ دونوں دور دور تک ساتھ ٹہلتے ہوئے جاتے اور راستے میں سائنسی گتھیاں بھی سلجھاتے رہتے۔

■

ماخذ: کیمیا کی کہانی، **مصنف:** سید شہاب الدین دسنوی، **پانچویں طباعت:** 2022، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

صحت ہی زندگی ہے، یہ مہاتما گاندھی نے کہا تھا۔ کچھ اسی طرح کی بات اردو کے ایک شاعر نے بھی کہی ہے:

تنگ دستی اگر نہ ہو سالک　　　　تندرستی ہزار نعمت ہے

صحت اور تندرستی زندگی کے لیے بہت لازمی ہیں۔ ذہنی صحت کے لیے جسمانی صحت کی ضرورت پڑتی ہے اسی لیے اگر شروع سے ہی صحت اور تندرستی کے تعلق سے لاپرواہی کے بجائے بیداری کا رویہ اختیار کیا جائے تو انسان بہت ساری بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ ہمارے عہد میں بچوں کی صحت ایک بڑا مسئلہ ہے، اس پر سنجیدگی سے توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے۔ بچوں کی صحت کے تعلق سے 'بچوں کی دنیا' میں یہ کالم اس لیے شروع کیا گیا ہے تاکہ والدین کے ساتھ ساتھ بچے خود بھی اپنی صحت اور تندرستی کا خیال رکھ سکیں۔

منکی پاکس ہیومن پاکس کیسے بنا؟

منکی پاکس ہیومن پاکس کیسے بنا؟ منکی پاکس ایک ایسا وائرس ہے جو بنیادی طور پر جانوروں سے منسلک ہے اور جانوروں سے ہی انسانوں میں منتقل ہو جاتا ہے اور پھیل جاتا ہے، یہ وائرس، وائرس فیملی کے پاکس وائرس کے 'پاکس وائری ڈائے' (Poxviridae) فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس فیملی کو مزید دو عدد ذیلی خاندانوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جن میں لگ بھگ بائیس (22) انواع و اقسام کے وائرس آتے ہیں، اور اگر ہم مجموعی طور پر اس فیملی میں وائرس کی اقسام کو دیکھیں تو ان میں 83 کے قریب اقسام موجود ہیں، جن کی شناخت، پہچان اور انفرادا الگ الگ اور جداگانہ ہے، اسی فیملی یا خاندان کا ایک جز یا فرد یا اس سے تعلق رکھنے والا، اسمال پاکس یا چیچک بھی ہے، جو اپنی شکل وصورت یا علامات وخدوخال کی وجہ سے اس سے بہت حد تک مشابہت بھی رکھتا ہے، اس لیے اسے منکی پاکس کا کزن بھی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ چیچک کو اس کے ویکسین اور اسے دنیا بھر میں نیست و نابود کرنے کی زور وشور سے مہم

چلانے کے بعد، تقریباً اب نابود ہی کیا گیا ہے لیکن یہ کہیں کہیں پر غریب اور پس ماندہ ممالک میں اب بھی رپورٹ ہو رہا ہے، خاص کر ان آبادیوں میں جہاں کے لوگوں میں ناخواندگی عام ہے اور صحت عامہ سے متعلق سہولت کا فقدان ہے اور بچوں میں جہالت و لاعلمی کی وجہ سے ٹیکے اور ویکسین نہیں لگائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں منکی پاکس وبا کی صورت میں سر ابھارنے لگا ہے۔

منکی پاکس کہاں سے وارد ہوا ہے

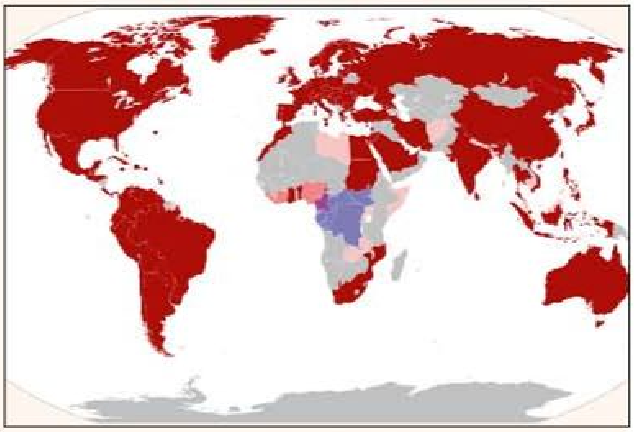

کہا جا رہا ہے کہ منکی پاکس افریقہ سے آیا ہے اور افریقہ سے ہی ابتدا میں دوسرے ممالک میں پھیلا ہے، اب تقریباً ہر جگہ پر اس کی موجودگی مشاہدے میں آ رہی ہے۔ عام طور پر اس کی دو ہی قسمیں متحرک دیکھی گئی ہیں، جو دنیا کے اکثر ممالک میں موجود بتائی جاتی ہیں، ان میں ایک قسم مغربی افریقہ والی ہے اور دوسری وسطی افریقہ میں کانگو طاس کے اطراف میں پائی جاتی ہے۔ دنیا میں منکی پاکس کا پہلا کیس 1970 میں افریقی ملک ڈیموکریٹک ری پبلک آف کانگو میں دیکھا گیا ہے۔ ایک بچہ تھا، جسے یہ مرض لاحق ہو گیا تھا، آج لگ بھگ ہر جگہ منکی پاکس موجود و متحرک ہے اور اس کے مریض ملتے ہیں۔ حالیہ ایام میں، کرونا وائرس کے بعد والی صورت حال میں، یہ وائرس بھی باعثِ تشویش بنا ہوا ہے اور وبا کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ دنیا کے اکثر ممالک کے، صحت سے متعلق حکام اور بین الاقوامی ادارے، اس کے خطرات سے بار بار آگاہ بھی کر رہے ہیں اور اس سے بچے رہنے کے اقدامات پر بھی توجہ مرکوز کر رہے ہیں۔

منکی وائرس اور بندر

اشرف المخلوقات میں منکی وائرس کا پہلا کیس سامنے آنے سے بہت پہلے 1958ء میں ڈنمارک کی ایک تجربہ گاہ میں رکھے گئے دو بندروں میں یہ وبائی بیماری لگ گئی تھی اور وہیں سے اس بیماری کا نام منکی وائرس رکھا گیا تھا، حالانکہ انسانوں میں منکی پاکس وبا کی موجودگی کے بارے میں سنتے ہی فوراً یہ تاثر ملتا ہے کہ اسے انسانوں میں پھیلانے میں، بندروں کی شرارت شامل ہے یا یہ کہ انسانوں میں یہ وائرس بندروں سے آیا ہے یا منتقل ہوا ہے اس بات کی تصدیق ہونی ابھی باقی ہے۔ عالمی ادارۂ صحت (WHO) نے منکی پاکس یا وائرس کا نام تبدیل کر کے اس کا نام ایم پاکس کر دیا ہے لیکن یہ اب بھی منکی پاکس کے نام سے ہی زیادہ مشہور ہے۔

منکی پاکس وائرس کا پھیلاؤ

ماہرینِ طب اور سائنسداں ابھی بھی وثوق کے ساتھ یہ بات بتانے سے قاصر ہیں کہ اس بیماری کو پھیلانے کی ذمے داری کس پر عائد ہوتی ہے، اس کی پیدائش کہاں پر ہوئی ہے

اور اسے عام یا منتقل کرنے میں کون سے جانور ذمے دار ہیں، تاہم افریقہ کے چوہوں کا اس بیماری کو پھیلانے میں کلیدی رول بتایا جاتا ہے۔اور انھیں اس کو پھیلانے کا ذمے دار بھی گردانا جاتا ہے۔یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ اگر منکی پاکس سے متاثر جانور انسان کو کاٹ لے، پنجہ مار دے یا پھر انسان اس کے فضلہ،تھوک یا خون وغیرہ کے تعلق میں آجائے تو وائرس متاثرہ جانور سے اس میں منتقل ہو جاتا ہے اور پھر اگر اس پر قدغن نہ لگائی گئی یا پھر اس کی مناسب روک تھام نہ کی گئی تو یہ اسی طرح دوسرے لوگوں میں منتقل ہو کر وبائی صورت اختیار کر سکتا ہے اور کہیں بھی پھیل سکتا ہے۔امریکہ میں ریاستِ نیو جرسی کے محکمہ زراعت کی ویب سائٹ پر موجود اعداد و شمار کے مطابق ایک انسان میں منکی پاکس وائرس کی منتقلی کی شرح تناسب 3.3 فیصد سے 30 فیصد کے درمیان ہے جبکہ کانگو میں وائرس کے حالیہ پھیلاؤ کی شرح 33 فیصد کے قریب ریکارڈ کی گئی ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ اگر ایک انسان میں منکی پاکس وائرس موجود ہے تو علامات ظاہر ہونے سے قبل ہی وہ اس وائرس کو اپنے ان دوسرے انسانوں میں منتقل کرنے کا باعث بن سکتا ہے جن کے ساتھ اس کا رابطہ ہو،اس لیے عام طور پر ابتدائی بچاؤ تدابیر کے سلسلے میں یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ منکی پاکس سے متاثرہ شخص کو زیادہ سے زیادہ 21 دن تک دوسرے انسانوں سے دور رکھنا چاہیے اور ان کے ساتھ اس طرح کے میل جول سے احتیاط برتنی چاہیے جس سے اس وائرس کے پھیلنے کا احتمال ہو۔اگر ایسا نہیں کیا گیا اور احتیاطی تدابیر کو نظر انداز کیا گیا تو یہ وائرس منتقل ہو سکتا ہے۔

یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ جن لوگوں،خاص طور پر بچوں کا مدافعتی نظام کمزور پڑ گیا ہو انھیں اس بیماری سے متاثر ہونے کا احتمال، تندرست و توانا اور اچھے مدافعتی نظام والے اشخاص سے، زیادہ ہوتا ہے۔

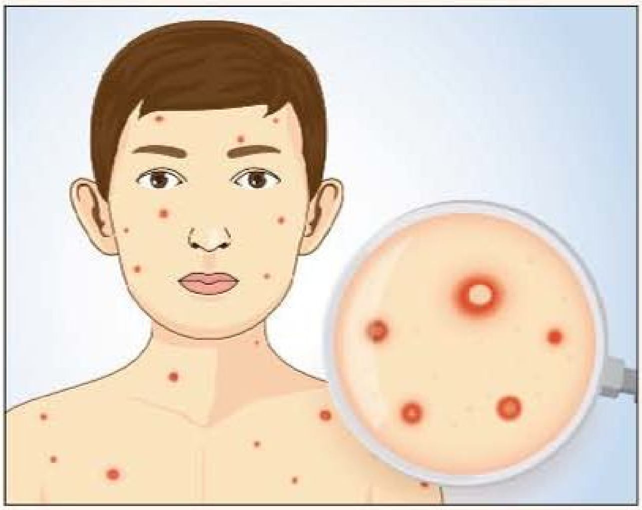

علامات

عالمی ادارۂ صحت کے مطابق منکی پاکس وائرس کی علامات بھی چیچک سے بہت حد تک مشابہت رکھتی ہیں اور ملتی جلتی ہیں البتہ اس وبا کی شدت چیچک سے کم ہوتی ہے۔عام طور پر اس کی علامات ایک سے دو ہفتوں کے درمیان سامنے آجاتی ہیں۔ متاثرہ شخص میں پہلے سردرد، بخار اور سانس پھولنے کی علامات ظاہر ہو جاتی ہیں اور پھر دوسرے مرحلے میں چیچک، جو ایک وبائی بیماری ہے اور انسانوں کی بہت پرانی دشمن ہے، جیسی علامات کا ظہور ہو جاتا ہے جیسے جسم پر سرخ داغ اور دانے نمودار ہو جاتے ہیں۔مرض کی شدت اور ترقی پانے کے ساتھ ساتھ ان دانوں کے حجم میں بھی واضح فرق نوٹ کیا جا سکتا ہے، یہ دانے مریض کو بے چین اور بے قرار کر سکتے ہیں کہ ان میں خارش ہوتی ہے اور ان میں پیپ بننا شروع ہو جاتا ہے، جسم میں موجود مدافعتی نظام جونہی منکی پاکس کے وائرس سے لڑنا شروع کر دیتا ہے تو لمف نوڈز بڑھ سکتے ہیں اور ان میں سوزش آسکتی ہے جس سے گلٹیوں میں ورم کو بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔کمر، پٹھوں وغیرہ میں درد اور تھکن کا احساس ہونے لگتا ہے، بخار کے ایک دو دن بعد ہی دانے چھالوں میں بدل سکتے ہیں، چہرے، ہاتھوں،ہتھیلیوں اور دیگر اعضا

میں پھیل جاتے ہیں اور اندرونی اعضا کو بھی متاثر کر سکتے ہیں۔ فلو جیسی علامات بھی مشاہدے میں آچکی ہیں۔عام علامات یہی ہیں۔

کیا منکی پاکس جان لیوا ہے؟

اگر اس وبا کا ابتدائی مرحلے پر اور مناسب اور موثر علاج نہ کیا جائے اور لاپروائی برتی جائے تو یہ مرض شدت بھی اختیار کرسکتا ہے اور جان لیوا بھی بن سکتا ہے۔اس وبا کے وائرس کی جن دو قسموں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، ان میں مغربی افریقی قسم کی شدت کانگو طاس کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔عالمی ادارۂ صحت کے مطابق ہی مغربی افریقہ میں پائے جانے والے منکی پاکس وائرس میں شرح اموات 3.6 فیصد ہے جبکہ کانگو طاس خطے کے منکی پاکس وائرس میں شرح اموات 10.6 فیصد ہے۔خاص بات یہ مشاہدے میں آئی ہے کہ امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں کم شدت والے منکی پاکس کے کیسز ہی زیادہ سامنے آئے ہیں۔یہ بات بھی مشاہدے میں آئی ہے کہ مناسب احتیاط اور علاج و معالجے سے منکی پاکس کے مریض 5 سے 21 دنوں کے اندر اندر روبہ صحت ہوسکتے ہیں۔

تشخیص

WHO کے مطابق کسی بھی شخص میں منکی پاکس وائرس کی موجودگی یا عدم موجودگی کا پتہ لگانے کے لیے موثر ترین طریقہ پولی میریس چین ری ایکشن (PCR) ٹیسٹ ہے۔اس جانچ کے لیے منکی پاکس سے متاثرہ مریض کے جسم پر موجود، ابھرے ہوئے دانوں میں بھرے مواد (پیپ یا پس) کو بطور نمونہ لیا جاتا ہے۔WHO کے مطابق چیچک کے متعلق بچاؤ کا ویکسین (MVA-BN) منکی پاکس وبا میں بھی موثر و فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ اس کے علاوہ عالمی ادارۂ صحت کے مطابق جو دوائیں چیچک میں فائدہ مند ثابت ہوئی ہیں وہ منکی پاکس وبا میں بھی فائدہ مند ہیں البتہ ویکسین ابھی ہر جگہ وافر مقدار میں دستیاب نہیں ہے اور اگر یہ بیماری حد سے زیادہ وبائی صورت اختیار کرگئی تو دواؤں کی قلت ہوسکتی ہے ورنہ نہیں۔

منکی پاکس وبا سے بچاؤ

2022 سے منکی پاکس پھیلنے لگا ہے۔عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ یہ وبا بچوں، بوڑھوں، حفاظتی ٹیکے نہ لگوانے والوں، اور قوت مدافعت کی کمزوری والے مریضوں میں زیادہ پھیلتا ہے۔جانوروں کے ساتھ رابطے میں رہنے سے گریز، ماسک کا استعمال، ہاتھوں میں دستانے پہننا، صفائی ستھرائی کا خاص خیال رکھنا اور متاثرہ لوگوں سے دور رہنا، بچاؤ تدابیر میں شامل ہیں۔

منکی وائرس سے پیدا شدہ پیچیدگیاں

ثانوی انفکشن، نمونیہ، خون کا زہریلا پن، آنکھوں کا شدید انفکشن، بچوں میں پیدائشی نقص کی موجودگی، وغیرہ جن بچوں میں بچپن میں چیچک کا ٹیکہ لگ گیا ہو انھیں منکی پاکس لگ جانے کا احتمال کم درجے کا ہوسکتا ہے۔

■

Dr. Bushra Ashraf
B.H. M S (Barkatullah University)
Bohpal - 462026(MP)
Mob: 7780836240

گرمی، گرما اور گرمیاں

کوئی بھی ملک یا معاشرہ اچھی زبان کے بغیرترقی نہیں کرسکتا، زبان کی قوت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مختلف تہذیبوں اورثقافتوں کو جوڑبھی سکتی ہے اورتوڑبھی سکتی ہے، صحیح زبان اس لیے بھی سیکھنا ضروری ہے کہ تاکہ الفاظ اورجملے کی ادائیگی خوب سے خوب تر ہو، معاشرہ اورمخاطب پر بھی زبان زبان کا گھرا اثر پڑتا ہے، صاف ستھری زبان میں معاشرتی ذھنی نظام کو بدلنے کی بے پناہ قوت ہے، اچھی زبان کے بغیر صحت مند مکالمہ بھی ممکن نہیں، زبان سیکھنے کے لیے بڑی محنت اورریاضت کی ضرورت ہوتی ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اردو کے مشہورشاعر داغ نے کہاتھا ؎

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

گرما: ف، اسم مذکر: سرما کا نقیض، تابستاں، گریشم، گرمی کا موسم۔

گرمابہ: ف، اسم مذکر: مرکب از (گرم+ آبہ): حمام، غسل خانہ، اشنان گھر، نہانے کا گرم مکان۔

گرما جانا: ا، فعل لازم: (1) سرداجانا کا نقیض، گرم ہوجانا، تپ جانا، گرمی کا موسم آجانا، جیسے 'اب تو دن گرما گئے' (2) جوش وخروش پرآجانا۔ جوش میں بھرجانا، امنگ پرآجانا۔

گرما گئی طبیعت باہم جو مطربوں کی
تو ابجھی سلجھی تانیں کیا کیا اپج رہے ہیں (انشا)

(3) غصے میں بھرجانا، غضبناک ہوجانا، تندی میں آجانا (4) گھوڑے وغیرہ کا گرمی پاکر تیز ہوجانا

گرما گرم: ف، صفت (باالف الصاق ا)، ایک گرم دوسرے گرم سے ملصق، ایک گرمی دوسری گرمی سے متصل اور پیوستہ (2) تتا تتا، بھبکتا ہوا بھاپ اٹھتا ہوا، جلتا ہوا، ترت کا پکا ہوا، ترت کا دیگ یا کڑاھائی سے نکلا ہوا جیسے 'گرما گرم پلاؤ، حلوا، پراٹھا وغیرہ (3) شعلہ انگیز، شعلہ زن، آتش افگن پرسوز۔ (4) تازہ بہ تازہ، نو بہ نو، (5) پرجوش، پرخروش، پراثر، وجدآور (6) چلبلی طبیعت کا، تیز طبع، لطیفہ گو، بذلہ سنج۔

داغ اک آدمی ہے گرما گرم
خوش بہت ہوں گے جب ملیں گے آپ (داغ)

گرما گرمی سے: ا: تابع فعل (عوام): سرگرمی سے، نہایت گرم جوشی کے ساتھ، نہایت شوق، مستعدی اور جلدی کے ساتھ، تیزی سے، جوش کے ساتھ۔

گرما: ا، فعل لازم: (1) گرم ہونا، بھبکنا، تتا ہونا، جلنا، تپنا۔

ہوا اب آہ کی گرمی سے رونا چشم کا ظاہر
کہ برسے ہے نہایت ابر دریا پار گرما کر (جرأت)

گرماہٹ: ا، اسم مونث (متروک): گرمی، گرمائی، حرارت، تپش، حدت، شوخی، شرارت

گرمائی: ا۔اسم مونث (عوام ا) گرماہٹ، گرمی، حرارت، تپش (2 پنجاب) دوائے گرم)

گرمائی آنا: ا۔فعل لازم: عوام، گرمانا، گرم ہونا، تتا ہونا، جوش آنا، غصہ آنا، تیزی آنا۔

گرمی: ف، اسم مونث: (1) حرارت، حدت، تپش، تتا پن، تپت، آگ، جلن، سوزش، حرقت۔

(2) گرما، تابستان، گریشم، تپنے کا موسم، صیف۔

تھا تپش سے ہر ایک دل بیمار
گرمی اپنا نکالتی تھی بخار (ادیب)

(3) گرم جوشی، فرطِ محبت، تپاک، سرگرمی، خوش اختلاطی (4) تیزی، تندی، آتشک (5) غصہ، طیش، غضب (6) محبت، انس، الفت (7) پسینا، عرق (8) گرمی دانوں اور چھوٹی چھوٹی پھنسیوں سے بھی کبھی مراد ہوتی ہے۔

گرمی بازار: ف، اسم مونث: (1) رونق بازار، خریداری، خرید و فروخت کا زور شور، گہما گہمی، گاہکی اور بکری کی کثرت، رونق۔

میرے ہونے سے تو کچھ گرمیِ بازار نہیں
ہوں میں وہ شے کہ کوئی جس کا خریدار نہیں (جرأت)

گرمی پڑنا: ا۔فعل لازم: حدت ہونا، موسم گرما کا آنا، دھوپ کا تیز ہونا، موسم کا تپنا، زمین تپنا، دھوپ پڑنا، تمازت آفتاب ہونا۔

گرمی چھانٹنا: ا۔فعل متعدی: حرارت دفع کرنا، مزاج کی گرمی نکالنا، حرقت مٹانا، حرارت کا دفعیہ کرنا۔

گرمی دانے: ا۔اسم مذکر: وہ چھوٹے چھوٹے دانے جو گرمی کے موسم میں اکثر جسم پر ہو جاتے ہیں۔ گھام (پنجابی) پت۔

گرمی کرنا: ا۔فعل متعدی: (1) دل پر حرارت پہنچانا، طبیعت میں حدت کا زیادہ کرنا (2) شوخی کرنا، شرارت کرنا، معشوقانہ انداز دکھانا۔

مجھ سے گرمی بھی وہ کرتا ہے تو دہری گرمی
خود جلانا مجھے خود آگ بگولا ہونا (رشک)

(3) جوش بڑھانا، ولولہ پیدا کرنا۔

گرمی کے کپڑے: ا۔اسم مذکر: وہ رنگتیں جن کا موسم گرمی میں عورتوں میں پہننے کا رواج ہے جیسے پیازی، آبی، چمپئی، کپاسی، بادامی کافوری، دودیا، خشخاشی، فالسئی، اگرئی لاجوردی وغیرہ۔

گرمی نکالنا: ا۔فعل متعدی: (1) حرارت دفع کرنا

گرمی ہونا: ا۔فعل لازم: (1) تپش ہونا، حدت ہونا، گرمی پڑنا، موسم گرمی آجانا (2) آتشک ہونا، باد فرنگ ہونا (3) حرارت بڑھنا، آگ پھلنا، تمازت ہونا۔

گرمیاں: ا۔اسم مونث: (1) گرمی کی جمع (2) گرم جوشیاں، خوش اخلاقیاں، تپاک۔

دو دن میں ٹھنڈی ہو گئیں وہ ساری گرمیاں
اب آپ نام لیں نہ کبھی اتحاد کا (تجمل)

(3) موسم گرما (4) خفگیاں، تندیاں، تیز مزاجیاں۔

ٹھنڈی کبھی نہ ہوں گی کیا گرمیاں تمہاری
آخر نسیم کا دل کب تک جلائیے گا (نسیم دہلوی)

گرمیاں آنا: ا۔فعل لازم، گرمی کے موسم کا آنا۔

گرمیاں کرنا: ا۔فعل متعدی: گرم جوشیاں دکھانا، کمالِ محبت جتانا، از حد اختلاط اور تپاک سے پیش آنا۔

مجھے اب گھر کو جانے دیجیے
گرمیاں اور سے یہ کیجیے آپ (شوق)

■

ماخذ: فرہنگ آصفیہ، مولفہ: خاں صاحب مولوی سید احمد دہلوی، جلد سوم، پانچویں طباعت: 2017، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

کیفیہ بی شیخ کامل، درجہ ششم، ضلع پریشد اردو اسکول، بیورہ تعلقہ راویر، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

زویا خان فیروز خان، درجہ ششم، ضلع پریشد اردو اسکول
بیورہ تعلقہ راویر، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

محمد شعیب شیخ جاوید ضیار، درجہ ششم
ضلع پریشد اردو اسکول، بیورہ تعلقہ راویر، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

عروبہ فیصل، درجہ ہفتم، تعلیم الدین نسواں انٹر کالج، مئو، اتر پردیش

وردہ اشرف، درجہ سوم، ہیون اسٹار چلڈرن اسکول، مئو، اتر پردیش

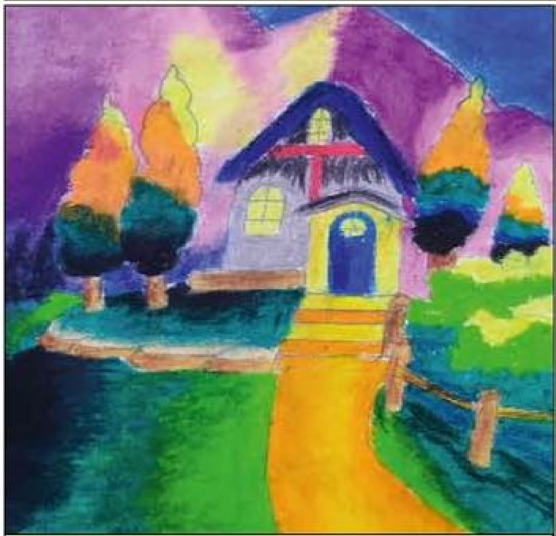

محمد شبیر، درجہ ششم، بنل گھریا جگن داس، وریا مندر، مغربی بنگال

شیخ محمد یسع احسان الحق، اقرا اردو ہائی اسکول
سالار نگر، جلگاؤں، مہاراشٹر

عبدالحسن ذیشان، کلاس دوم B، سید عابد حسین سینئر سیکنڈری اسکول، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

ابوزر محتشم خان، سینٹرل پوائنٹ اسکول، ناگپور، مہاراشٹر

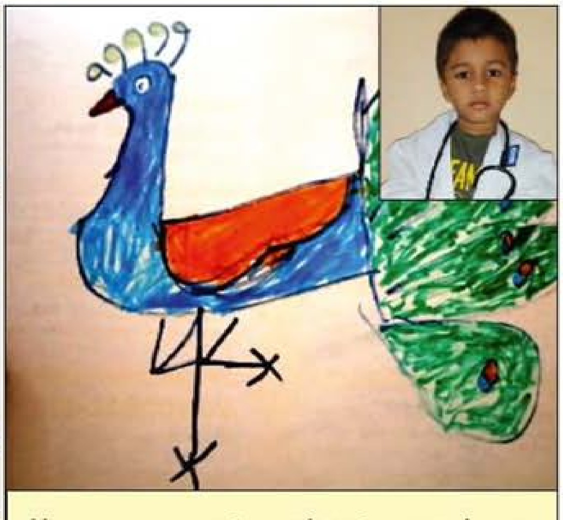

عاطف منال انصاری، کے جی سیکنڈ چندر کلاں برہانپور، مدھیہ پردیش

ریان اختر، درجہ چہارم، رانے بنور (کرناٹک)

عبدالحنان صدیقی، درجہ سوم، جامعہ مڈل اسکول، نئی دہلی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जुलाई 2023, वर्ष 11, अंक 07
BACHON KI DUNIYA Monthly, July 2023 Vol. 11, Issue: 07
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/06/2023
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

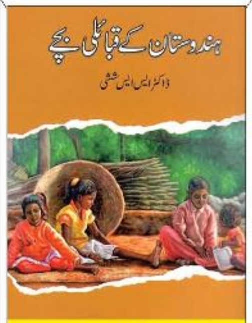

صفحات: 57، قیمت: 20 روپے

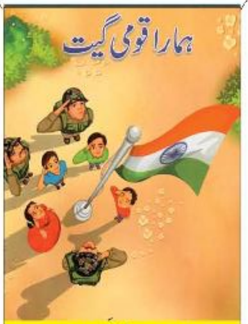

صفحات: 58، قیمت: 20 روپے

صفحات: 43، قیمت: 15 روپے

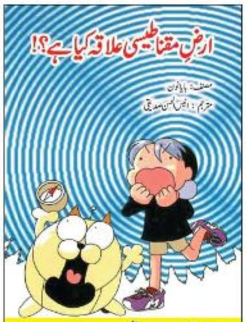

صفحات: 20، قیمت: 20 روپے

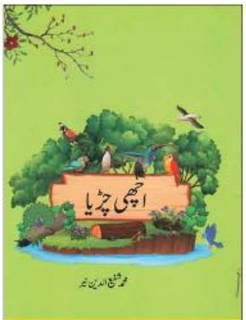

صفحات: 42، قیمت: 29 روپے

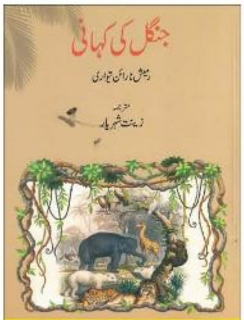

صفحات: 118، قیمت: 30 روپے

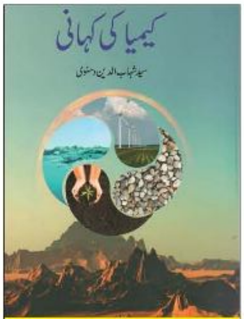

صفحات: 120، قیمت: 30 روپے

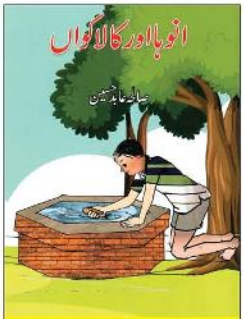

صفحات: 26، قیمت: 15 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:
شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6